ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

01

www.tanzeem.org

28 محرم الحرام تا 4 صفر المظفر 1432ھ / 4 تا 10 جنوری 2011ء

اس شمارے میں

یار زندہ صحبت باقی

اسلام اور تقویٰ؟

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا اصل سبق

تحفظ ناموس رسالت
تمام مکاتب فکر کا اتحاد

جب گیدڑ شہر کا رُخ کرتا ہے

مساجد کا عشق

سید ابوالحسن علی ندویؒ

"بدن میں ہے جاں تمہارے لیے"

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

فسادفی الارض کی اصل جڑ

انسان کو دل و دماغ کی ساری صلاحیتیں اور جسم کی ساری قوتیں بندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دی گئیں ہیں۔ اس حیثیت بندگی کو نظر انداز کرنے کا مطلب انسان کا خود اپنی ذات اور اپنی فطرت سے باغی ہو جانا ہے۔ اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خود اپنی خدائی کا مدعی بن بیٹھے یا اپنا سر کسی جھوٹے خدا کے سامنے جھکا دے۔ انسان جوں ہی بغاوت کی اس راہ پر قدم بڑھاتا ہے اُس کی ذات سے ظلم و فساد کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ نے چونکہ تمام انسانوں کو ایک ہی فطرت پر پیدا کیا ہے، اس لیے کسی کا حاکم بن جانا اور کسی کا محکوم ہو جانا دونوں ہی صورتیں خلاف فطرت ہیں۔ حاکمیت خواہ بادشاہ اور آمر کی صورت میں کسی ایک فرد کی ہو یا پارلیمنٹ کی صورت میں بہت سے منتخب افراد کی، کسی ایک ریاست کے شہریوں کی ہو یا بحیثیت مجموعی پوری دنیا کے عوام کی، ظلم ہر صورت میں سر ابھار کر رہے گا۔ کیونکہ انسان کی حاکمیت ہر انفرادی و اجتماعی شکل میں ایک ایسے مقتدر اعلیٰ کو وجود میں لے آتی ہے جو حقیقی مقتدرِ اعلیٰ کی جگہ نہیں لے سکتا اور یہی فساد فی الارض کی اصل جڑ ہے۔

بنیادی حقوق

صلاح الدین

سورۃ التوبہ

(آیات: 71 تا 73)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑی نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ اے پیغمبرؐ! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے انجام بد کے بعد اب اہل ایمان کے بارے میں فرمایا کہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی، پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ ان کا طرز عمل یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے (اللھم ربنا اجعلنا منھم) مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں باغات عطا کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کی رہائش گاہیں سدا بہار باغوں میں صاف ستھری اور عمدہ ہوں گی۔ یہ ساری چیزیں تو ہیں ہی، سب سے بڑی شے یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے گا۔ وہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔ یہ آیت دوسری مرتبہ اٹھائیسویں پارے میں سورۃ التحریم میں جوں کی توں آئے گی۔ یہاں لفظ ''جہاد'' قتال کے معنی میں نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ منافقین کے ساتھ آپؐ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ یہاں جہاد جدوجہد اور کوشش کے معنوں میں ہے۔ یعنی منافقین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا توڑ کرنا۔ یہاں جہاد خالص اس جہاد کی مانند ہے جس کے بارے میں آپؐ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر فرمایا تھا: ((رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر)) ''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں''۔ اس بات کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ سلطنت روما کے خلاف آپؐ جہاد اصغر فرما رہے ہیں، اب جہاد اکبر سامنے ہے کہ یہ جہاد اپنے نفس کے خلاف جہاد ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ سے پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! افضل جہاد کون سا ہے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے نفس کو اللہ کا مطیع بنانے میں اُس کے خلاف جہاد کرو'' اُس وقت مدینے کے اندر منافقین مار آستین تھے۔ اب ان کے خلاف جہاد کرنا تھا۔ اس میں اندیشے بھی تھے کیونکہ ان کے تعلقات اوس اور خزرج کے ساتھ تھے۔ اس لیے اس سے فتنے اُٹھ سکتے تھے۔ واپس آ کر آپؐ نے مسجد ضرار کو جلا کر گرا یا تھا۔ یہ بہت بڑا اقدام تھا۔ اس سے عام مسلمان مشتعل بھی ہو سکتے تھے کہ مسجد کو گرا رہے ہیں مگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تبوک سے واپسی پر یہ اقدامات آپؐ نے کیے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، ان کافروں اور منافقوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

کسی کے نرخ پر نرخ نہ بڑھاؤ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَنَاجَشُوْا)) (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کے نرخ پر نرخ نہ بڑھاؤ!''

مثلاً کوئی کسی چیز کا بھاؤ تاؤ کر رہا ہے تو جب تک وہ اس سودے سے دستبردار نہ ہو جائے، کسی دوسرے کو اس کے بھاؤ پر زیادتی نہ کرنی چاہیے۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

28 محرم تا 4 صفر المظفر 1432ھ جلد 20
4 تا 10 جنوری 2011ء شمارہ 1

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

یار زندہ صحبت باقی

ہم اپنے قارئین کے سامنے یہ تاریخی واقعہ ایک سے زائد مرتبہ لا چکے ہیں کہ جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو اس عیسائی شہر کے پادری ان مسائل پر گرما گرم گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ نے جو آخری کھانا کھایا تھا اُس کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آ سکتے ہیں اور کیا مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد بھی کنواری کہلائیں گی اور عوام بھی ان ہی مسائل پر باہم گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ اسی طرح جب انگریز ہندوستان پر فوج کشی کی تیاری کر رہے تھے تو مسلمان علماء اس مسئلہ پر زور بیان صرف کرنے میں مصروف تھے کہ کیا خدا جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور کیا خدا بھی چاہے تو دوسرا محمدؐ پیدا کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پاکستان کے حالات، ہمارے سیاست دانوں کے کرتوتوں اور علماء کرام کی ترجیحات، کالم نگاروں کی دانشوریاں اور اپنے عوام کی لاتعلقی دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ مذکورہ بالا تاریخی واقعہ کو ندائے خلافت کا مستقل حصہ بنا دیا جائے بلکہ ہر شمارہ کے ٹائٹل پر یہ تحریر اس عنوان سے لکھ دی جائے "پڑھتا جا، شرماتا جا"۔

شمال مغرب کی طرف سے دشمن ہم پر آگ برسا رہا ہے جس سے ہمارے قبائلی علاقے جھلس رہے ہیں۔ ڈرون حملے روزانہ معصوم انسانوں کو نگل رہے ہیں۔ مشرق میں ہمارا ازلی اور پیدائشی دشمن بھارت دانت تیز کر رہا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کب ہم باہم دھینگا مشتی میں بلکہ قتل وغارت میں اپنے ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ہمارے اتحادی امریکہ کو انہیں اُچکنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے کہ محض ایٹمی ڈیٹرنٹ کی وجہ سے بھارت ہم پر وار کرنے سے رُکا ہوا ہے۔ برطانیہ، جرمنی اور روس کے سربراہان بھارت کے دورے کے دوران پاکستان کو ایک دہشت گرد ملک قرار دے چکے ہیں۔ گویا اُنہوں نے ہمارے ازلی دشمن کو یہ لائسنس دے دیا ہے کہ تمہیں حق ہے کہ اس دہشت گرد ملک کے خلاف کارروائی کرو۔ صرف چین دنیا میں ایک ایسا ملک رہ گیا ہے جسے ہم سے ہمدردی ہے یا یوں کہہ لیں کہ اُس کے اور ہمارے دشمن مشترک ہیں۔ لہٰذا اُسے ہمارا ساتھ دینے کی مجبوری ہے۔ لیکن ہم اسے بھی ناراض کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ اندرون ملک عوام بدترین مالی مسائل سے دوچار ہیں۔ مہنگائی اور بے روزگاری سے لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں۔ امن و امان تہہ و بالا ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے علمائے کرام فرقہ اور مسلک سے بالاتر ہو کر دشمن کے خلاف قوم میں جذبہ ابھارنے کی کوشش کرتے۔ سیاست دان سیاسی چوکڑیوں اور کلابازیوں کو خیر باد کہہ کر قوم کو متحد ہونے کا پیغام دیتے۔ تاجر نفع کی بجائے عوامی خدمت کو اپنا شعار بناتے۔ حکومت کا رویہ اور انداز اُس بے چین اور بے تاب ماں جیسا ہوتا جس کے بچے بھوکے ہوں یا خطرے میں نظر آ رہے ہوں اور اُس گھر کے مالک جیسا ہوتا جو برسات کی آمد سے پہلے اپنے گھر کی چھتوں کی لپائی کا بندوبست کر رہا ہوتا ہے، بلکہ گلی میں جمع ہونے والے پانی سے بھی اپنے گھر کو محفوظ رکھنے کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ لیکن قارئین کرام، ہر طرف نگاہ دوڑا کر دیکھیں ہو کیا رہا ہے۔ سیاست دان سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں مصروف ہیں اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور محلاتی سازشوں کو ہی جمہوریت سمجھتے ہیں۔ منتخب حکومت کو تین سال ہونے کو ہیں لیکن وہ صرف دو کام ہی کرتی نظر آتی ہے۔ ایک کرپشن اور دوسرا اپنی حکومت کو بچانے کی تگ و دو۔ کبھی کوئی اتحادی ناراض ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی، اور حکومت اپنا وقت روٹھے ہوئے اتحادیوں کو منانے میں صرف کرتی رہتی ہے۔ جس عوام سے اُنہوں نے ووٹ لیا تھا اُس سے وہ مکمل طور پر ناتا توڑ چکی ہے۔ فرینڈلی اپوزیشن نے عجب تماشا لگایا ہوا ہے۔ نواز شریف کی حکومت پر ایک فوجی جرنیل نے شب خون مارا تھا اور اُن کی جماعت کے کچھ لوگوں نے الگ "ق لیگ" بنا کر جرنیل کا ساتھ دیا تھا۔ نواز شریف ابھی تک ردعمل اور انتقامی سیاست سے باہر نہیں نکل سکے۔ وہ فوجی جرنیلوں کا نام سننے کے روادار نہیں اور "ق" کو قبرستان پہنچانے سے پہلے کوئی بات سننا نہیں

چاہتے۔ وہ آصف زرداری اور اُس کی حکومت کو انتہائی کرپٹ نااہل اور عوام دشمن بھی قرار دیتے ہیں اور انہیں سپورٹ بھی کرتے ہیں۔

حال ہی میں مولانا فضل الرحمٰن نے پانی میں پتھر پھینک کر جو سیاسی ارتعاش پیدا کیا ہے اور ایم کیو ایم حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دینے والے تھے کہ نواز شریف نے ایم کیو ایم کے خلاف محاذ کھول کر اُس کا حکومت سے باہر جانے والا دروازہ بند کر دیا۔ نواز شریف اگر پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بچانا چاہتے تھے تو بجائے اس کے کہ یکدم ایم کیو ایم پر چڑھائی کرنے کا منفی راستہ اختیار کرتے، صاف کہہ دیتے کہ اپوزیشن میں ہونے کے باوجود اور حکومت سے بعض معاملات میں شدید اختلاف رکھنے کے باوجود اگر ایم کیو ایم حکومت سے باہر آئی تو ہم حکومت کو مطلوبہ سپورٹ فراہم کر دیں گے۔ اس لیے کہ اس وقت حکومت کی تبدیلی ملکی مفاد میں نہیں۔ نواز شریف نے خود بے وقت کی راگنی چھیڑی اور ایم کیو ایم کے بارے میں انتہائی سخت زبان استعمال کی۔ پھر اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے پیاروں کو ایم کیو ایم پر حملہ کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ ہمیں خود بہت سے معاملات میں ایم کیو ایم سے اختلاف ہے، ہم اُن کے سیکولر نظریات کو انتہائی نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ نواز شریف کے تو اُن سے محض سیاسی اختلافات ہیں۔ سیاست میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ آج کے دوست کل کے دشمن ہوتے ہیں۔ اِسی طرح آج کے دشمن کل کے دوست ہوتے ہیں۔ نواز شریف اگر بڑے صوبے کے بڑے لیڈر ہیں تو اُن کی گفتار اور کردار سے یہ بڑا پن چھلکنا چاہیے۔ انہیں یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اُن کا تعلق پنجاب سے ہے۔ سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی آخری سانس لے رہی ہے۔ وہ آخر ایک دن سندھ کارڈ کا سہارا لے گی۔ اُس کے علاوہ سندھ میں قوم پرست ہیں یا ایم کیو ایم۔ قوم پرستوں سے ہم کیا توقعات رکھتے ہیں۔ اُن کے خیالات سے کون آگاہ نہیں۔ ماضی میں وہ کیسے نعرے لگا چکے ہیں۔ ایم کیو ایم سے آپ کا معاملہ اگر پوائنٹ آف نو ریٹرن تک جا پہنچا تو کل کلاں جب آپ پنجاب کی بنیاد پر وزیر اعظم بنیں گے تو ان سب کے پاس پنجاب کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا کس قدر مواد ہوگا اور کیا سندھی قوم پرست اور ایم کیو ایم مل کر سندھ کا شیخ مجیب الرحمٰن وجود میں نہیں لائیں گے؟ کیا بھارت، امریکہ، یورپ اور اسرائیل کا کام آسان نہیں ہو جائے گا؟ کیا وہ اس سنہری موقع کو مِس کریں گے؟ کسی لیڈر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اعتدال اور توازن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ کسی کی دشمنی اُس کو ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف نہیں لے جاتی۔ نواز شریف ایم کیو ایم سے اختلاف ضرور کریں لیکن اس میں اتنی شدت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی بات ذاتیات تک پہنچنی چاہیے۔ اتنی گنجائش رہے کہ وہ کل کلاں نائن زیرو اور ایم کیو ایم کے رہنما رائے ونڈ آ سکیں۔ ہم نے سیاست دانوں میں صرف نواز شریف کا ذکر کیا ہے وہ بھی ادھورا۔ باقی سیاست دانوں، علمائے کرام، دانشوروں کا ذکر جگہ کی کمی کی وجہ سے نہیں ہو سکا۔ یار زندہ صحبت باقی

نوٹ: اداریہ تحریر ہو چکا تھا تو ہمیں ایم کیو ایم کے وسیم اختر کی میڈیا سے گفتگو سننے کا موقع ملا جو انتہائی افسوسناک بلکہ شرمناک تھی۔ اِس گفتگو کے بعد اِس موضوع پر تحریر شاید وقت کا ضیاع ہوگا۔ اللہ اُس قوم پر رحم فرمائے جس کے لیڈران اِس نوعیت کی گفتگو کرتے ہیں۔ حالات اِس رخ پر جا رہے ہیں کہ شاید دوا اب کارگر نہ ہو سکے۔ وقتِ دعا ہے۔ ایسی دعا جو نزع کی کیفیت طاری ہو جانے پر مانگی جاتی ہے۔

بیاپہ مجلس اسرار

تقویٰ اور اسلام؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ﴾ (آل عمران:102)

''اے ایمان کے دعوے دارو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔''

تقویٰ کا مفہوم کیا ہے! بچ کر چلنا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے۔ اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ ایمان کے معنی کیا ہیں؟ یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا، یومِ آخرت کا اقرار کیا اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانا۔ اب اِن ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے؟ یہ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کو مانیے! ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑫﴾ (التغابن) ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسولؐ پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔'' اگر واقعۃً ایمان دل میں ہے تو ہر لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے انسان سوچے گا کہ میرے اس لفظ سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض! میں اس کو قیامت کے دن justify کر سکوں گا یا نہیں! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے کہنے کا مجھے حق حاصل ہے یا نہیں! ہر حرکت جو ہمارے اعضاء و جوارح سے ہو، وہ ہاتھ سے ہو، پاؤں سے ہو، یہاں تک کہ آنکھ کی حرکت کی بھی جوابدہی کرنی ہوگی۔

آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾ (آل عمران:102)۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا: ''اور ہرگز مت مرنا مگر اسلام (فرماں برداری) کی حالت میں''۔ اسلام کسے کہتے ہیں؟ سرِ تسلیم خم کرنے کو — فارسی میں اس کی تعبیر ہوگی 'گردن نہادن' انگریزی میں اسے to submit اور to surrender کہا جائے گا۔ یعنی کوئی مقابلہ تھا اس میں اگر آپ نے ہتھیار رکھ دیئے اور سپر ڈال دی تو اس رویہ کا نام 'اسلام' ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ہمارا نفس اکثر و بیشتر اللہ سے سرکشی کرتا ہے۔ اللہ کا حکم کچھ ہے، نفس کا تقاضا کچھ اور ہے۔ خیر و شر کی یہ کشمکش اور کشاکش انسان کے باطن میں چلتی رہتی ہے۔ لیکن جب انسان ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب جو اللہ کا حکم ہوگا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہوگا بجا لائیں گے، جو ان کا فرمان ہوگا اس کے مطابق عمل کریں گے، تو یہ اسلام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ''تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ اسلام میں''۔ اس کلام میں جو بلاغت ہے اس پر غور فرمایئے کسی انسان کے پاس کوئی یقینی عمل نہیں ہے کہ وہ کتنی مہلتِ زندگی لے کر آیا ہے اور اس کی موت کب واقع ہوگی۔ مجھے کوئی پتہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ ابھی درس کے بعد مسجد سے نکلوں اور کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے اور یہ زندگی ختم ہو جائے۔ آپ کا مشاہدہ ہوگا کہ بسا اوقات صبح لوگ گھر سے اپنے کاروبار کے لیے نکلتے ہیں اور شام کو گھر پر یا لاش پہنچتی ہے یا موت کی اطلاع ملتی ہے۔ تو چونکہ موت کا کوئی وقت ہمیں معلوم نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طے کر لے کہ ''میں ہرگز نہیں مروں گا مگر فرمانبرداری کی حالت میں'' تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسے ہر لحہ چوکس ہو کر بسر کرنا ہوگا کہ زندگی کا کوئی لحہ معصیت میں بسر نہ ہو۔ کیا پتہ موت کا پنجہ کب آ کر دبوچ لے! کسی کے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اسی معصیت والے لحہ میں موت نہیں آ جائے گی۔

ناموس رسالت قانون میں ترامیم کے پس پردہ روشن خیال اسلام کے فروغ کا ایجنڈا ہے

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا اصل سبق

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 17 دسمبر 2010ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! اِس وقت ناموس رسالت ایکٹ میں ترامیم اور اُس کو غیر موثر بنانے کے حوالے سے حکومت کی جانب سے جن عزائم کا اظہار کیا جا رہا ہے، اس پر ملک کے اندر آپؐ کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ رکھنے والے بے چین ہیں۔ یہ بہت بڑا ایشو ہے، جس پر چند روز قبل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام اسلام آباد میں بہت بڑی آل پارٹیز کانفرنس بھی ہوئی۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو ناموس رسالت قانون میں ترمیم یا اس کے خاتمے کے عزائم کے پس پردہ روشن خیال اسلام کے فروغ کا وہ ایجنڈا ہے جو پہلی بار پرویز مشرف کے دور میں سامنے آیا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کا ایک نیا ورژن پیش کیا جائے جو یہود و نصاریٰ کے لیے قابل قبول ہو۔ یہود و نصاریٰ کے لیے اسلام کی جو چیزیں سب سے زیادہ پریشان کن ہیں، وہ قرآن حکیم میں جہاد و قتال کی تعلیم اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کا تذکرہ ہے۔ یہ چیزیں اُن کو کھلتی ہیں۔ لہٰذا اُن کی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام سے یہ چیزیں نکال لی جائیں، اور اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کرایا جائے جس میں غیر مسلموں کے ساتھ مکمل ساز گاری ہو۔ یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں الغرض کسی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اسی طرح اُن کا ہدف پاکستان میں اسلامائزیشن کا پراسس بھی ہے۔ ہمارے ہاں دستوری و قانونی سطح پر نفاذ اسلام کے ضمن میں جو پیش رفت ہوئی، خاص طور پر ابتدا ہی میں قرارداد مقاصد کی منظوری سے عوامی حاکمیت کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار کر کے پاکستان کی منزل کا تعین کر دیا گیا، یہ دشمنوں کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہے۔ چنانچہ انہوں نے ابتدا ہی سے اِس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں تھیں۔ اُن کی مسلسل کوشش ہے کہ اِس قرارداد مقاصد کو غیر موثر بنایا جائے۔ اسی کا مظہر ہے کہ ہماری پارلیمنٹ میں بھی اس قرارداد کے خلاف آوازیں اُٹھتی رہی ہیں۔ ڈوب مرنے کا قیام ہے کہ خود مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اِس قرارداد کو آئین سے نکالا جائے۔ اِسی طرح حدود آرڈیننس کو غیر مؤثر بنانے کے لیے سازش کی گئی۔ چنانچہ پرویز مشرف کے دور میں ہماری حکومت نے یہ ''کارنامہ'' انجام دیا کہ تحفظ نسواں بل کے نام سے حدود آرڈیننس میں ایسی ترامیم کر ڈالیں، جو تمام مکاتب فکر کے علماء کے نزدیک متفقہ طور پر غیر اسلامی تھیں۔ سب نے کہا کہ یہ بل غیر اسلامی ہے، یہ زنا کا لائسنس ہے، مگر اِس کے باوجود ہماری پارلیمنٹ نے اِسے منظور کیا اور حکومت نے ڈنڈے کے زور پر اسے نافذ کر دیا۔ اِس سے اگلا قدم اب ناموس رسالت ایکٹ کی تنسیخ یا اُس میں ایسی ترامیم ہیں، جن سے یہ غیر مؤثر ہو کر رہ جائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور دیگر اصحاب بصیرت یہ جانتے ہیں کہ اگر حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تو اُس کا اگلا قدم امتناع قادیانیت آرڈیننس ہوگا، جسے 1974ء میں ہماری پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا، اور جس کے تحت قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیا گیا۔ ہمارے دشمن اور قادیانی لابی یہ چاہتی ہے کہ اس فیصلے سے سجدہ سہو کیا جائے۔ بہرکیف اس وقت جو لوگ ناموس رسالت ایکٹ کے خلاف آوازیں بلند کر رہے ہیں، وہ درحقیقت مقام رسالت کو گھٹانے کی ناپاک جسارت کر رہے ہیں۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے مقام کو جانتے ہی نہیں۔ وہ اپنے آپ کو اہل قرآن قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ توہین رسالت کے مرتکب کے لیے موت کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ یہ لوگ دراصل اِس سزا کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ اس سازش کے حوالے سے مسلمانوں کو چوکنا اور بیدار رہنا ہوگا۔

یہ تو ناموس رسالت ایکٹ کے حوالے سے چند گزارشات تھیں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیں، آج اصلاً مجھے شہادت حسینؓ کی مناسبت سے گفتگو کرنی ہے۔

10 محرم الحرام کو ہماری تاریخ میں ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا، جسے واقعہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سانحہ کربلا کے میدان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے اعزہ و اقارب کی المناک شہادت کا سانحہ ہے۔ اِس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ شہادت سے مراد کیا ہے؟ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ آیئے سورۃ البقرہ کی روشنی میں سمجھیں۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (153)﴾

''اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یہاں اہل ایمان کو دو چیزوں سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے، ایک صبر ہے اور دوسری نماز۔ یعنی اِن دو چیزوں کے اہتمام سے مومنوں کو تقویت اور تائید ملے گی۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مدد اور سپورٹ کس کام میں درکار ہے؟ اِس کا جواب بھی واضح ہے۔ امت مسلمہ ایک عظیم مشن کے لیے برپا کی گئی ہے۔ یہ شہادت حق کا مشن ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کے لیے

مدد اور تقویت درکار ہے۔ یہ تقویت صبر اور نماز سے حاصل ہوگی۔ امت مسلمہ کے اس عظیم مشن کا تذکرہ مذکورہ آیت سے چند آیات پہلے (سترھویں رکوع میں) آیا ہے، جہاں سابقہ اُمت مسلمہ بنی اسرائیل کو اُس کے کرتوتوں اور جرائم کے سبب اللہ کی نمائندگی کے منصب سے معزول کرنے کے بعد اِس منصب پر اُمت محمدیہؐ کو فائز کرنے کا اعلان ہوا۔ فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

(البقرہ143)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا کہ اُمت مسلمہ کا مشن شہادت علی الناس ہے۔ اللہ نے ہمیں اُمت وسط بنایا، اس لیے تاکہ ہم دنیا والوں پر گواہ بنیں اور رسول ہم پر گواہ ہوں۔ شہادت کے اصل معنی گواہی کے ہیں۔ اِسی معنی میں یہ لفظ اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اُمت محمدیہ کے اُمت وسط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُمت اللہ اور اُس کی مخلوق کے درمیان واسطہ کا کام دے گی۔ نبوت و رسالت کا دروازہ اب ابدالآباد تک بند کردیا گیا ہے۔ اب رہتی دنیا تک نوع انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری اِس امت کے کندھوں پر ہے۔ افرادِ اُمت کا کام ہے کہ شہادت کی یہ ذمہ داری ادا کریں اور دنیا والوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ ''شہید'' کے معنی گواہی دینے والے کے ہیں۔ یہ لفظ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے شخص کے لیے بھی آتا ہے۔ تو اس کی بھی اپنے اصل معنی سے گہری مناسبت ہے۔ دیکھیے، شہادت اور گواہی کے کئی مدارج ہیں۔ ابتدائی درجہ تو یہی ہے کہ زبان سے دین کی دعوت دی جائے۔ اس کی تبلیغ کی جائے۔ قلم سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے۔ یہ قولی گواہی ہے۔ گواہی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دین کو بالفعل قائم کرکے دنیا کے سامنے اس کے نظام عدل و قسط کا نقشہ پیش کردیا جائے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں۔ اس کام میں باطل کے ساتھ براہِ راست تصادم ہوتا ہے اور جانیں نچھاور کرنی پڑتی اور خون کا نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ تو جو شخص اللہ کے دین کے غلبہ یا اُس کی بقا کی جدوجہد میں قتل ہوجائے وہ شہادت کے بلندترین درجے پر فائز ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ دین حق کی گواہی دیتے ہوئے اپنی جان تک قربان کردیتا ہے جو اُس کی عزیزترین متاع ہے۔ رسول خدا ﷺ کی بھی شہادت کی بڑی آرزو تھی۔ آپ فرماتے تھے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں (لڑتے ہوئے) قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں۔ لیکن چونکہ رسول اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اللہ نے اُس کے حق میں یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ کوئی اِسے قتل نہیں کرسکتا۔ وہ مغلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ حالات کتنے بھی کٹھن کیوں نہ ہوں، آخری غلبہ اور کامرانی اُسی کو عطا ہوتی ہے۔

رسول مغلوب نہیں ہوسکتا، نہ اِسے کوئی قتل کرسکتا ہے۔ تاہم سب سے بڑا شہید وہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے قول اور عمل دونوں سے دین کی گواہی بتمام و کمال دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا اور جزیرہ نما عرب کی حد تک اللہ کے دین کو بالفعل غالب کرکے عملی شہادت کا حق بھی ادا فرمادیا۔ شہادت حق ایک نہایت کٹھن ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اِس کی ادائیگی کی جدوجہد میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل ایمان کو بتایا گیا کہ تم صبر و مصابرت ہی سے اِس راہ میں پیش آنے والی تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرسکو گے، اور نماز ہی سے تمہارے ایمان کی بیٹری چارج ہوگی اور تمہیں روحانی قوت حاصل ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ ؓ نے اِس عظیم فریضے کو ادا کرتے ہوئے بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں اور ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کیا، لیکن استقامت کی چٹان بنے رہے۔

شہادت مومن کا مطلوب و مقصود ہے۔ ہر سچے صاحب ایمان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے اور شہادت کے رتبہ جلیلہ پر فائز ہو۔ ہمارے دین میں شہادت کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایک مرد مومن کے لیے فوز و فلاح اور نجات و کامیابی کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

''جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (تو حقیقت میں) زندہ ہیں، مگر تمہیں اِن کی زندگی کا شعور حاصل نہیں۔''

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں گردن کٹا کر دین کی گواہی کا حق ادا کردیا۔ تم انہیں مردہ نہ کہو، یہ زندہ ہیں۔ اللہ نے انہیں حیات جاوداں عطا کی ہے۔ ہاں تمہارا فہم و شعور اس درجے کا نہیں کہ اُن کی زندگی کی کیفیت کا ادراک کرسکو۔ یہی بات سورۃ آل عمران میں اور بھی پُرجلال انداز میں کہی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ (آل عمران)

یعنی ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، اُن کو مردہ خیال نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے بخش رکھا ہے، اُس پر شاداں و فرحاں ہیں اور (یہی نہیں) جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے اور (شہید ہوکر) اُن میں شامل نہیں ہوسکے اُن کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ (قیامت کے دن) اُن کو بھی کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

کربلا کے میدان میں نواسۂ رسول ﷺ کی شہادت کا جو سانحہ پیش آیا، یہ ہماری تاریخ کا بہت بڑا سانحہ ہے، تاہم یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہماری پوری تاریخ شہادتوں سے بھری پڑی ہے۔ دور نبوی اور دور خلافت راشدہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ شہادت ہرگز رنج والم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر شہادت ماتم والی شے ہے تو پھر حضرت سمیہ ؓ کی المناک شہادت کا دن بھی ماتم کے طور پر منایا جانا چاہیے۔ یہ عظیم شہادت توحید کے لیے پہلا خون ہے جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ زار ہوئی۔ پھر اِن کے شوہر حضرت یاسر ؓ کی بہیمانہ انداز سے شہادت کا دلدوز واقعہ ہے۔ پھر میدان احد میں نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ کی المناک شہادت کا سانحہ ہے۔ اُن کی نعش مبارک کا حال یہ تھا کہ اعضا بریدہ ہیں، پیٹ چاک ہے، کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور بے شمار دوسرے جاں نثارانِ محمد ﷺ دور نبوت میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو اُن کا منایا جاتا۔ اِسی طرح اسلامی کیلنڈر کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام یہ بھی ایک عظیم شہادت کا دن ہے۔ اُس روز دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت ہوئی۔ اگر سوگ منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتایا جائے کہ کون سا دن ہوگا جب سوگ نہ منایا جائے گا۔

نواسہ رسول سیدنا حضرت حسین ؓ اور آپؓ کے ساتھ آپ کے خاندان کے اکثر افراد نے 10 محرم سن 61 ہجری

میں دشت کربلا میں شہادت پائی۔ حضرت حسین ؓ کی شہادت کے واقعات کے بیان سے قطع نظر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ اچانک ظہور پذیر ہونے والا حادثہ نہیں تھا، بلکہ یہ اِس سبائی سازش کا مظہر تھا جو پچیس سال قبل ایک اور المناک حادثے کو جنم دے چکی تھی یعنی نبی کریم ﷺ کے داماد اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین ؓ کی مظلومانہ شہادت۔ قبل ازیں حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت ہوئی۔ یہ ایرانی سازش تھی۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ اسلام کو جو شان و شوکت حاصل ہوئی ہے، اگر اس شخص کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو اسلامی اقتدار کے غلبہ و توسیع کو کنٹرول کیا جا سکے گا۔ چنانچہ ابولولو فیروز ایرانی مجوسی کے ذریعے اس سازش کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ آپ ؓ کی شہادت کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت عثمان غنی ؓ کے کندھوں پر آ گئی۔ آپ ؓ کا دور خلافت 12 سال کا ہے۔ یہ خلفائے اربعہ میں سے سب سے طویل دور ہے۔ آپ ؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی 10 برس اُسی شان کے ہیں، جیسے دور فاروقی کے تھے۔ دور عثمانی میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئیں۔ لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش اسلام کے پرچم تلے آ گئے۔ اسلام کا یہ سیل رواں دشمنوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود تھمتا نہ تھا۔ اس کو روکنے کے لیے یہودیوں نے Disinformation کا ہتھیار استعمال کیا، جو آج بھی وہ بڑی مہارت سے استعمال کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مدینے میں آ گیا۔ اُس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اُس نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، خلافت اُسی کا حق ہوتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وصی علی ؓ ہیں، لہٰذا خلافت اُن کا حق ہے۔ مدینہ کے بعد وہ بصرہ اور پھر مصر گیا۔ وہاں بھی اُس نے اپنا ایک ایک مرکز قائم کیا اور یہی پروپیگنڈا کرتا رہا۔ اُس نے اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت پیدا کر لی۔ جس کے نتیجے میں امام مظلوم حضرت عثمان ؓ کی شہادت وقوع پذیر ہوئی۔ اُس زمانے میں بھی دشمنان اسلام نے Disinformation کا سہارا لیا، آج بھی وہ میڈیا کے غلط پروپیگنڈا کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ کا عہد خلافت آیا۔ آپ ؓ کے عہد خلافت کے پونے پانچ برس باہم خانہ جنگی میں گزرے۔ جنگ جمل ہوئی، جنگ صفین ہوئی، جنگ نہروان ہوئی۔ مسلمان کی تلوار سے ہی مسلمان کا خون ہوتا رہا۔ جلیل القدر صحابہ ؓ شہید ہوئے۔ اِس دوران جب بھی مصالحت آخری مرحلے پر پہنچتی تو ایک سازشی ٹولہ معاملے کو بگاڑ دیتا۔ سازشوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک خارجی کے ہاتھوں حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد کوفہ میں حضرت حسین ؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ اُن کا حضرت معاویہ ؓ سے اختلاف ہوا، اور اُن کی فوج سے تصادم ہوا۔ لیکن بالآخر صلح ہو گئی۔

حضرت معاویہ ؓ کی جانب سے یزید کو امیر نامزد کیا گیا تو حضرت حسین ؓ نے اِس سے اختلاف کیا۔ اہلسنت اس معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ آنجناب پوری نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے شورائی اور جمہوری مزاج کو بدلا جا رہا ہے۔ حالات کے رُخ کر اگر ہم نے تبدیل نہ کیا تو وہ خالص اسلام جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے تھے اور جسے آپ ؐ نے قائم فرمایا تھا، اس میں کجی کی بنیادی پڑ جائے گی۔ لہٰذا اِسے ہر قیمت پر روکنا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ کوفہ کے لوگوں کی جانب سے برابر پیغامات آ رہے تھے کہ آپ ؓ کوفہ آئیں، ہم بیعت کرنے کو تیار نہیں۔ اس لیے آپ ؓ کوفہ روانہ ہو گئے۔ کوفیوں نے اس موقع پر غداری کی۔ یہی وہ سازشی عنصر ہے جس کے سبب کربلا کا سانحہ پیش آیا۔

سانحہ کربلا کے حوالے سے غور طلب سوال یہ ہے کہ اِس واقعے میں ہمارے لیے سبق کیا ہے؟ حضرت حسین ؓ کس بنیاد پر یزید کے خلاف اُٹھے؟ ایک تاثر یہ ہے کہ دور خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی شاید پوری عمارت ہی ایک دم زمین بوس ہو گئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ والد محترم ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی عمارت کو اگر چھ منزلہ عظیم الشان قصر سے تعبیر کیا جائے تو یوں سمجھئے کہ سب سے بالائی منزل یعنی سیاسی سطح پر اس میں ایک دراڑ آ گئی تھی۔ چنانچہ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کا تقاضا پورا ہونے اور مسلمانوں کا امیر ان کی مشاورت سے طے ہونے کی بجائے نامزدگی ہو گئی۔ حضرت معاویہ ؓ صحابی رسول ہیں۔ نامزدگی سے اُن کے پیش نظر بعض مصلحتیں تھیں۔ انہوں نے یہ نامزدگی اس اندیشے اور مصلحت کے تحت کی کہ کہیں اُمت دوبارہ اس سازش کا شکار نہ ہو جائے۔ افسوس کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا، حالانکہ آپ کے 20 سالہ عہد میں امن و امان کا دور دورہ رہا، اور فتوحات کا وہ سلسلہ جو رک گیا تھا، پھر آگے بڑھا۔ بہرکیف اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہم یزید کی نامزدگی کو بدنیتی نہیں کہیں گے۔ کسی صحابی کے بارے میں اِس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں، اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے نامزدگی کا فیصلہ اس لیے کیا کہ سازشی کہیں دوبارہ نہ آ جائیں۔ لیکن اصولی اعتبار سے اس سے تقرر امیر کے لیے شورائیت کے حوالے سے اوپر کی منزل میں ایک دراڑ پڑ گئی۔ چنانچہ اس کے خلاف حضرت حسین ؓ اُٹھے، اس خیال سے کہ یہ معاملہ آگے بڑھ کر اور بگاڑ کا سبب نہ بن جائے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں اتنا سا فرق آیا تو انہوں نے اس پر بھی سٹینڈ لیا۔ یہ ہے عظمت اور عزیمت نواسہ رسول ﷺ کی۔ وہ اس نامزدگی کے خلاف اُٹھے۔ بہت سے اور لوگوں کو بھی اس نامزدگی سے اختلاف تھا، لیکن وہ اُٹھے نہیں بلکہ وہ حضرت حسین ؓ کو بھی سمجھاتے رہے کہ کوفیوں کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ یہ انتہائی ناقابل اعتبار لوگ ہیں۔ کیونکہ وہاں سے تاثر مل رہا تھا کہ لاکھوں لوگ حضرت حسین ؓ کو اپنا امام تسلیم کرنے اور آپ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اور آپ ؓ کے ساتھ مل کر اس نامزدگی کے خلاف جہاد کریں گے۔ یہ لوگ حضرت حسین ؓ کو آخری وقت تک روکتے رہے کہ یہ قدم نہ اُٹھائیں، اس سے معاملہ سنبھلے گا نہیں۔ مگر حضرت حسین ؓ نے اُن کے روکنے کے باوجود اس معاملے پر سٹینڈ لیا اور کوفیوں پر اعتبار کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راہ حق میں انہوں نے اپنی اور اپنے اعزہ و اقارب کی گردنیں کٹا دیں۔

حضرت حسین ؓ نے اپنی اور اعزہ و اقارب کی جانوں کی قربانی کس مقصد کے لیے دی تھی؟ اُن کے پیش نظر صرف یہ بات تھی کہ اُس دین پر ذرا بھی آنچ نہ آنے پائے، جو نبی ﷺ قائم کر کے گئے تھے۔ آج ہم میں سے ہر ایک کو یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ کا دین کس حال میں ہے۔ حضرت حسین ؓ نے اسلام کی ایک منزل کے کسی درجے میں گرنے پر سٹینڈ لیا تھا، جبکہ آج دین کی ساری عمارت زمین بوس ہو چکی ہے۔ ساری منزلیں گر چکی ہیں۔ پورا ڈھانچہ غائب ہو گیا ہے۔ لیکن ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے اور اِس مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ہمارے لیے سانحۂ کربلا میں اصل سبق یہ ہے کہ اسلام کے قیام و بقا کے اُٹھ کھڑے ہوں۔ افسوس کہ آج دین چاروں شانے چت ہے، اور ہم سارے مل کر اِسے قائم کرنے کی بجائے اسلام دشمن قوتوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ ہمارے صدر، وزیراعظم گورنر، وزرائے اعلیٰ سب ہی یوم عاشور پر بیانات دیتے ہیں، مگر اِس سانحہ میں ہمارے لیے جو اصل سبق ہے، اس کی طرف نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خطۂ زمین عطا کیا ہے، ہم یہاں 96 فی صد مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی حکمرانی ہے۔ مگر پھر بھی ہم اللہ کا دین قائم کرنے کے

(باقی صفحہ 14 پر)

تحفظ ناموس رسالت.....تمام مکاتب فکر کا اتحاد

مولانا محمد الیاس گھمن

ایک بار پھر تمام دینی جماعتیں تحفظِ ناموس رسالت کے لیے متحد ہو چکی ہیں۔ ناموس رسالت اس وقت اہل اسلام کے لیے سب سے اہم ایشو ہے۔ قانون توہین رسالت میں ترمیم کرنے کے لیے عاقبت نااندیش حکمران چند ٹکوں کے عوض اپنے ایمان کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ شیری رحمٰن صا حبہ، گورنر پنجاب سلمان تاثیر اور دیگر ان کے ہم نوا یہ چاہتے ہیں کہ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کر لی جائے۔ گورنر پنجاب نے یہاں تک اپنے خُبثِ باطن کا اظہار کیا ہے کہ ''یہ کالا قانون ہے۔'' العیاذ باللہ۔

کوئی ''روشن خیال'' اس جرم توہین رسالت کے مرتکب پر نافذ کردہ سزا کے بارے میں کہتا ہے کہ ''یہ ظلم ہے، اسلام محبت اور رواداری کا سبق دیتا ہے'' اور کوئی یوں ہذیان بکتا منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے کہتا ہے ''یہ دقیانوسیت ہے، اسلام میں امن وآشتی اور باہمی الفت کا درس پنہاں ہے۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام رواداری اور محبت کا علمبردار ہے۔ امن وآشتی اور باہمی الفت اس کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی ترتیب کے مطابق رحماء بینھم بعد میں ہے، اشداء علی الکفار پہلے ہے۔ جب ظلم بڑھ رہا ہو، شرک والحاد کے بھوت منہ کھولے کھڑے ہوں، جب ڈکیتی، قتل وغارت، لوٹ کھسوٹ، دنگا فساد، رشوت ستانی، سود خوری، دین اسلام کا مذاق، صحابہ کرامؓ، اہل بیت و ازواجؓ نبی ﷺ، قرآن کریم، اسلام کی مقتدر شخصیات پر تبرا بازی اور پیغمبر خدا ﷺ کی گستاخی اور توہین اور معاشرتی اور اخلاقی جرائم عام ہونا شروع ہو جائیں تو اسلام کے حدود وقصاص کے قوانین کو عمل میں لانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ جب اعداء اسلام؛ دینِ اسلام کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور اسلام کے شعائر کا مذاق اڑانا شروع کر دیں، تو اسی امن وآشتی کے علمبردار اسلام کا حکم ہے: فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ''ان کی گردنوں پر مارو''۔ نہیں بلکہ وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ ''ان کے جوڑ جوڑ پر مارو''۔ جب قتل وغارت گری شروع ہو تو ''وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ'' کا زریں اصول بھی اسلام ہی کا ہے۔ جب شراب خوری معاشرے میں جنم پانے لگے تو حد شرب خمر کا حکم بھی اسلام ہی دیتا ہے۔ جب چوری جیسی لعنت پھیلنے لگے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم بھی یہی اسلام دیتا ہے۔ الغرض ہر جرم کے مطابق سزا کا قانون خود خالق لم یزل نے مرتب کر دیا ہے۔

پوری دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں جرائم کے سدباب کے لیے قوانین موجود نہ ہوں۔ ہر قوم میں اپنی مقتدر شخصیات کی عزت وعظمت اور احترام کے قوانین موجود ہیں اور جو کوئی بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے سزا کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اسلام بھی ایک سچا اور کھرا دین ہے۔ احترام آدمیت کا جتنا اسلام محافظ ہے اتنا کوئی اور مذہب نہیں ہے۔ اسلام ایک عام انسان کی بھی عزت وحرمت کا نگہبان ہے اور معاملہ جب پیغمبر خدا ﷺ کا آ جائے تو پھر اسلام حکم دیتا ہے کہ گستاخ اور ان کے بارے میں یاوہ گوئیاں کرنے والا کعبۃ اللہ کے غلاف میں چھپا ہوا ملے تو بھی اسے قتل کر ڈالو۔

قانون توہین رسالت تمام قوانین میں سب سے زیادہ چمکتا دمکتا قانون ہے۔ والی دو جہاں ﷺ کی عزت اور ناموس کا مسئلہ تو تمام مسائل میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس پر کوئی مسلمان سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ مسلمان بے عمل ہو سکتا ہے اور بد عمل بھی ہو سکتا ہے لیکن عشق رسالت مآب ﷺ سے خالی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص محبت رسول ﷺ سے خالی ہے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ قانون توہین رسالت میں ترمیم کابل اسمبلی میں پیش ہو چکا ہے۔ انگریز کے حاشیہ بردار حکمران تمام اہلِ اسلام کے جذبات ایمانی سے کھیل کر اس میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور میرا قلم بھی اس کیفیت کو لکھنے میں ہمت ہار جاتا ہے کہ کیسے!!! آخر کیسے!!! یہ لوگ دشمن رسول کو خوش کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرنے کا یارا کر لیتے ہیں۔ کیا ضمیر مردہ ہو چکے ہیں؟ کیا اقتدار اور دولت کا نشہ اس قدر مست کیے ہوئے ہے کہ ایمان کو داؤ پر لگا دیا ہے؟

اللہ جزائے خیر دے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین واراکین کو جنہوں نے بر وقت معاملہ کی حساسیت کو بھانپتے ہوئے آل پارٹیز تحفظ ناموس رسالت کانفرنس انعقاد عمل میں لایا۔ کانفرنس میں راقم کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ میں یہ بات کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ منتظمین نے ہر حوالے سے اس کو کامیاب بنانے میں جو اپنی خدمات سرانجام دی ہیں وہ یقیناً لائق تحسین بھی ہیں اور قابل تقلید بھی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم نے اپنا ترجمان مولانا فضل الرحمٰن کو منتخب فرمایا اور یقیناً وہی اس کے اہل تھے۔ مولانا کی بصیرت افروز، نپی تلی اور جامع مانع گفتگو نے کانفرنس میں پھر سے حوصلوں کو جوان کر دیا۔ محترم قاری محمد حنیف نے اپنے نقابت کے فرائض بڑے ہی متانت سے سرانجام دیئے۔ کانفرنس میں شریک تمام مکتبہ فکر کے قائدین نے ناموس رسالت کے لیے اتحاد کا اعلامیہ دیا۔ دینی، مذہبی، مسلکی اور سیاسی جماعتوں کا یوں آپس میں کسی مسئلہ پر متحد ہونا ہی اس مسئلہ کی اہمیت بتلانے کے لیے کافی ہے۔ میں ان تمام علمائے کرام کا جنہوں نے بڑی سنجیدگی سے اس معاملہ پر پالیسیاں وضع کیں اور ایک لائحہ عمل طے کیا، دل سے شکر گزار ہوں کیونکہ ہمارا ماٹو یہ ہے کہ اسلام ہر چیز پر مقدم ہے۔ عقائد ونظریات کے سامنے سیاست کو ایک بار نہیں لاکھ بار قربان کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض عیسائیت زدہ دماغ عام طور پر سوچتے ہیں کہ یہ دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث ہیں، یہ آپس میں ہی لڑیں گے اور ہماری جان چھوٹی رہے گی۔ خبردار! اگر کسی نے یہ مفروضہ گھڑ کر اپنے ذہن پر سوار کر رکھا ہے تو وہ اپنی اس غلط فہمی کو دور کر لے۔ دین دشمنوں کے مقابلے میں ہم ایک گھر میں بیٹھے ہوئے افراد ہیں۔ ہم تم سے لڑیں گے۔ پھر گھر بیٹھ کر آپس میں دلائل کے ساتھ تصفیہ کر لیں گے، اور اللہ اللہ خیر سلا۔ ہم ناموس رسالت کے لیے ایک ہو چکے ہیں۔ ہم ختم نبوت کے لیے بھی ایک ہو چکے ہیں، بلکہ میری اس

بات سے اہل انصاف اتفاق کریں گے کہ دیگر اجماعی مسائل وعقائد میں ہمیں ایک ہونا چاہیے۔

حالات یہ کہتے ہیں عجب وقت پڑا ہے
ہر شخص خدا ہے
اس شہر خرابات کے احکام نئے ہیں
پیغام نئے ہیں
صیاد پرانے ہیں مگر دام نئے ہیں
الزام نئے ہیں
بے حال کیا معرکہ روح وبدن نے
احوال چمن نے
چرکے بھی لگائے ہیں عزیزانِ وطن نے
یارانِ کہن نے
اے اہل قلم! میں تو قلم توڑ رہا ہوں
سر پھوڑ رہا ہوں
رہوار خطابت کی عناں چھوڑ رہا ہوں
رخ موڑ رہا ہوں
اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

دعائے مغفرت کی درخواست

- تنظیم اسلامی مروٹ (حلقہ ہارون آباد) کے دیرینہ رفیق اعجاز النبی المعروف محمد صدیق انتقال کر گئے
- تنظیم اسلامی کوئٹہ کے رفقاء شیخ قدیر احمد، شیخ تنویر احمد اور شیخ اویس احمد کی والدہ وفات پا گئیں
- تنظیم اسلامی کوئٹہ جنوبی کے امیر خواجہ ندیم کی خوش دامن انتقال کر گئیں
- تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد حلقہ کراچی شمالی کے رفیق حبیب عبدالقادر کی خالہ وفات پا گئیں
- نارووال کے ملتزم رفیق ولی محمد والدہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں
- سیالکوٹ کے ملتزم رفیق عبدالغفور کا بھانجا وفات پا گیا
- نارووال کے ملتزم رفیق محمد عثمان بیگ کی نانی وفات پا گئیں
- گوجرانوالہ کے ملتزم رفیق شہزاد انجم کے بہنوئی اور چچی انتقال کر گئیں
- گوجرانوالہ کے مبتدی رفیق محمد امجد کے چچا وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومات کی مغفرت فرمائے۔ قارئین اور رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حساباً یسیرا

پریس ریلیز — حافظ عاکف سعید

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے لیے امریکی دباؤ لمحہ فکریہ ہے

امریکی عدالت میں آئی ایس آئی چیف کی طلبی سے واضح ہو گیا کہ امریکہ کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت نہیں

امریکہ کی طرف سے ڈومور کا تقاضا اور شمالی وزیرستان فوجی آپریشن کے لیے بڑھتا ہوا دباؤ لمحہ فکریہ ہے۔ یہ سب دراصل امریکی دباؤ پر نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے کا نتیجہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی میں خطبہ جمعہ کے دوران کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے بظاہر اپنے بچاؤ کے لیے امریکہ کا ساتھ دیا تھا، مگر طاغوتی جنگ میں اسلامی امارت کے خاتمہ میں تعاون کے جرم کی سزا یہ ملی کہ آج ہمیں ان تمام مصائب اور مسائل نے گھیر لیا ہے جن سے ہم بچنا چاہتے تھے۔ دہشت گردی اور بم دھماکوں نے ہماری امن وامان کی فضا اور ڈرون حملوں نے ریاستی خودمختاری کو تار تار کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ امریکہ کے خلاف ڈٹ جانے سے بھی ہم پر مشکلات آتیں مگر یہ مشکلات راہِ حق ہوتیں، جنھیں برداشت کرنے سے ہم اللہ کی نگاہوں میں سرخرو ٹھہرتے اور بالآخر اللہ کی مدد اور رحمت ہمارے شامل حال ہوتی۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہماری رسوائی کا یہ عالم ہے کہ ایک امریکی عدالت نے آئی ایس آئی چیف کو طلب کر لیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ امریکہ کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت نہیں اور ہمارے حکمران خواہ وہ فوجی ہوں یا عوامی امریکہ کے غلام اور بکاؤ مال ہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ موجودہ رسوائی اور ذلت سے چھٹکارا کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم امریکہ کی ڈومور کی تکرار پر انکار کر دیں اور امریکی جنگ سے الگ ہو جائیں۔ یہ جرأت انکار اُسی وقت پیدا ہوگی جب ہم امریکہ کو بڑی طاقت ماننے اور اس پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ کو کائنات کی سب سے بڑی قوت تسلیم کریں گے اور اُسی سے توکل اور اعتماد کا رشتہ قائم کریں گے۔ (پریس ریلیز: 24/دسمبر 2010ء)

سورۂ اخلاص کی تلاوت نہ کر سکنے والے شخص کا کابینہ کا رکن ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ برطرف کیا جائے

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کی تیاریاں قوم کے لیے تشویشناک ہیں آپریشن ملک کی سلامتی پر فیصلہ کن وار ثابت ہوگا

توہین رسالت ایکٹ کی مخالفت درحقیقت مقامِ رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی میں خطابِ جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ الیکٹرانک میڈیا پر اِس ایکٹ کو جس انداز سے پیش کیا جا رہا ہے وہ سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حدیث رسولؐ سے انکار اصلاً قرآن کا انکار ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے فرمودات درحقیقت قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔ اُنہوں نے اِس خبر پر انتہائی افسوس اور تشویش کا اظہار کیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ایک وزیر سورۂ اخلاص کی تلاوت بھی نہ کر سکا۔ اُنہوں نے کہا کہ جس آئین کا جز وقرارداد مقاصد ہو اور جس میں واضح طور پر تحریر ہو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا ایسے آئین کا حلف اٹھانے والا وزیر اگر سورۃ اخلاص کی تلاوت نہ کر سکے تو اُسے برطرف کیا جانا چاہیے، اُس کا کابینہ کا رکن ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ اطلاعات بڑی تشویشناک ہیں کہ پاک فوج شمالی وزیرستان میں آپریشن کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ انہوں نے کہا کہ شمالی وزیرستان پر حملہ پاکستان کی سلامتی پر فیصلہ کن وار ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اب تو مقتدر حلقوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور اُنہیں نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔ وگرنہ امریکہ تو ذلیل و خوار ہو کر افغانستان سے نکل جائے گا، پاکستان کہیں کا نہیں رہے گا اور اپنا جغرافیائی وجود قائم نہ رکھ سکے گا۔ (پریس ریلیز: 31/دسمبر 2010ء)

”جب گیدڑ شہر کا رُخ کرتا ہے“

افغانستان امریکہ کے لیے ویت نام بنتا جارہا ہے۔امریکہ اپنی ناکامی کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرانا چاہتا ہے، اِسی لیے وہ فوجی آپریشن کو پاکستان لانے کی باتیں کررہا ہے۔

محمد فہیم

صحیح کہا گیا ہے کہ گیدڑ کی جب موت آجاتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے ۔امریکی اور ناٹو افواج نے افغانستان میں کون سا تیر مارا کہ وہ اب پاکستان کا رُخ کررہی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ اپنی شرمندگی اور خفت چھپانے کے لیے اب انھیں کوئی اور بہانہ تو ملتا نہیں، لہٰذا ان کی فوجی اور سویلین لیڈر شپ یہ واویلا کررہی ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے افغانستان کے اندر امریکی اور نیٹو افواج پر حملے ہورہے ہیں۔آپ دُنیا کو مزید بے وقوف نہیں بنا سکتے ۔یہ اور بات ہے کہ امریکی عوام کا اپنا کوئی دماغ نہیں ۔ان کے کان اور آنکھیں براہ راست امریکی پالیسی سازوں کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ ان کو اپنی مرضی سے استعمال کرواتے ہیں ۔اگر امریکی عوام میں ذرا بھی شعور ہوتا تو وہ سڑکوں پر نکل آتے اور اپنے ناقابل برداشت ٹیکسوں سے حاصل شدہ سرمایہ کو افغانستان کی لاحاصل جنگ میں جھونکنے نہ دیتے۔اگر وہ باشعور قوم ہوتے تو کب کے وائٹ ہاؤس کا گھیراؤ کرچکے ہوتے۔ 9 سالوں تک ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے مسلح دو لاکھ زمینی اور ہوائی افواج افغانستان کے نہتے پختونوں کو زیر نہ کرسکیں۔حملہ آور فوج کی 60 فیصد سے زیادہ تعداد کسی نہ کسی درجے میں ذہنی مریض بن چکی ہے۔ اس جنگ پر اب تک 100 بلین ڈالر سے زیادہ کی رقم خرچ کی جاچکی ہے۔

ذرا تاریخ کے دریچے میں جھانکیں تو حقیقت یہ کھلتی ہے کہ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکہ اور اس کے اس وقت کے درپردہ اتحادی جتنے بیرونی ”جہادی“ افغانستان لانے میں کامیاب ہوئے تھے، ان کی تعداد 35 ہزار سے زیادہ نہ تھی۔1980 سے 2000ء کے دوران افغانستان میں پہلے روسی جنگ اور بعد ازاں خانہ جنگی اور ”طالبان“ کے ساتھ لڑائی میں 35 ہزار افراد میں سے کتنے باقی رہ گئے ہوں گے۔ پھر امریکہ نے افغانستان پر چڑھائی کی اور 9 سال تک وہ آسمان سے آگ اور لوہا برساتا رہا۔تورا بورا اور قندھار پر گیس اور ڈیزی کٹر، اور ڈرٹی بموں کی بارش کرتا رہا ہے۔تو کیا وہ 35 ہزار جہادی ابھی تک زندہ سلامت ہیں اور باقاعدہ لڑ رہے ہیں۔مغرب کا پروپیگنڈا جھوٹ کا پلندا ہے۔پھر یہ دعویٰ کہ یہ لوگ تھکنے کے بعد چہل قدمی کرتے ہوئے سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے اور پاکستانی سرحد عبور کرکے اپنی آرام گاہوں میں آکر ستانے لگتے ہیں۔خوب آرام کرکے پھر سے بندوق اُٹھا کر واپس افغانستان جاکر لڑتے ہیں۔ عقل کے اندھو! پھر تمہاری دو لاکھ فوج جس کے ساتھ افغان فوج اور طالبان مخالف لوگ (ان کے کہنے کے مطابق) بھی ہیں، تو کیا واپس جانے والے درانداز ان کو نظر نہیں آتے۔ یہ کیسے درانداز ہیں کہ تکنیکی اعتبار سے جدید ترین اسلحہ اور ساز وساماں سے آراستہ نیٹو اور امریکی افواج ان مٹھی بھر ”دہشتگردوں“ کو مار سکتی ہیں، نہ پکڑ سکتی ہیں اور نہ ہی ان کا راستہ روک سکتی ہیں۔تو پھر افغانستان میں تم کیا کرتے ہو؟ جاؤ اپنے گھروں کو، تمہاری بیگمات تمہارا انتظار کرتے ہوئے تھک چکی ہوں گی۔ جب تم اتنے ناہنجار ہو کہ چند سو ”دہشت گردوں“ سے نہیں نمٹ سکتے تو پھر واویلا کیوں کرتے ہو۔صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم اس علاقہ میں نہتے ”طالبان“ کے ہاتھوں بدترین شکست سے دوچار ہوکر بدحواس ہوچکے ہو۔ جاؤ اپنی راہ لو۔

اُدھر اوباما کے گھر وہائٹ ہاؤس سے ایک عجیب قسم کا بیان جاری ہوتا ہے۔وہ دعویٰ کرتا ہے کہ افغانستان میں ہمیں جیت ہورہی اور ہم کافی آگے بڑھ رہے ہیں۔ کہاں بڑھ رہے ہیں؟ کیسے بڑھ رہے ہیں؟ ریڈ کراس کی جو تازہ رپورٹ سامنے آئی ہے، اس میں امریکی قبضہ اور اس کے غلط اقدامات کی وجہ سے افغان عوام کی بھوک اور حالت زار کا ذکر ہے جبکہ امریکہ کا دعویٰ ہے کہ وہ وہاں تعمیر نو اور قوم کی ترقی میں لگا ہے۔ایک اندازے کے مطابق افغان جنگ پر ماہانہ خرچ اب 13 بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ قابض فوجوں کا حوصلہ روز بروز پست ہوتا جارہا ہے اور ان کی سپلائی لائن کو لاحق خطرات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔اس صورتحال سے واضح ہوتا ہے کہ قابض فوجوں کی قیادت جھوٹے بیانات دے رہی ہے۔ طالبان کے کمزور ہونے کی بجائے اُن کا اثر ونفوذ مزید بڑھتا جارہا ہے۔ حامد کرزئی کا وہ بیان بھی اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ”امریکی سربراہی میں افغانستان میں قابض فوجیں صرف شہریوں کو مارنے کی حد تک کامیابی حاصل کررہی ہیں اور بس۔“

اس منظر نامے کو سامنے رکھ کر امریکی افواج اور سیاسی قیادت بوکھلاہٹ کا شکار رہے۔اوباما اپنے الیکشن کے دوران کیے ہوئے وعدے سے منحرف ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔2014ء تک انخلاء کی بات صرف دھوکہ دہی ہے۔افغانستان امریکہ کے لیے ویت نام بنتا جارہا ہے۔ لہٰذا جیسا اُس وقت امریکہ نے کمبوڈیا اور لاؤس کے سر اپنی ناکامی تھوپنے کی کوشش کی تھی، اسی طرح اب یہ پاکستان کو اپنی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرانے کی باتیں کرنے لگا ہے۔

قارئین یہ بات کیسے سمجھ میں آسکتی ہے کہ وزیرستان سے اتنی بڑی تعداد میں درانداز جارہے ہیں کہ دُنیا کی جدید ترین فوج اس کا سامنا نہیں کرسکتی۔کیا یہ کوئی یاجوج ماجوج ہیں جن کے لیے کوئی سدّ سکندری بنانا درکار ہے۔

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ناٹو افواج اب پاکستان کی مٹی پر ناپاک قدم رکھنے کی جسارت کا ارادہ رکھتی ہیں اور وہ اپنے فوجی آپریشن کو پاکستان کے اندر لانا چاہتی ہیں۔اگر فی الواقع ایسا کوئی شیطانی ارادہ ہے تو یہ اِس ضرب المثل کا مصداق ہوگا کہ جب گیدڑ کی موت آجاتی ہے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے۔ ہر محب وطن پاکستانی، پاکستان کی مسلح افواج، اس کی سیویلین قیادت، اس کے عوام مرد وزن بچے اور جوان کوئی بھی ان پاک

قدموں کو اپنی ناپاک سرزمین پر پڑتے دیکھنا کسی طور برداشت نہیں کرے گا۔ خدا نہ کرے ایسا ہو، لیکن شاید امریکہ کی تباہی کا آخری وقت آپہنچا ہے۔ اگر ایسا ہوا، تو امریکہ اس منتشر قوم کو اسی لمحہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد پائے گا۔ جس قوم کے سینے میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز ہر وقت گونجتی ہے، اسے اس بے شرمی کے ساتھ للکارنا ایک بہت ہی خوفناک کھیل ہوگا۔ امریکہ کو ایسا کرنے کے لیے سو دفعہ سوچنا ہوگا۔ اس کی یہ غلطی اس کے کفن میں آخری کیل ثابت ہوگی۔

امریکیو، تم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ایک اسلامی ملک پر حملہ کرنے کی جسارت کی ہے تو تمہیں اینٹ کا جواب پتھر سے ملنا ہی تھا۔ تو کیا تمہاری یلغار پر فرزندان توحید کونوں کھدروں میں چھپ جاتے اور تمہارا مقابلہ نہ کرتے۔ لہٰذا مجاہد جنہیں تم ''دہشت گرد'' کہتے ہو تمہی نے پیدا کئے۔ ہم اہل پاکستان نے تمہارے ''اتحادی'' بن کر تمہاری بد معاشی کی جنگ میں اپنی بہت بڑی تباہی کی ہے۔ ہمارے ایک ''بزدل'' (اور بزور حاکم بنے ہوئے) حکمران نے تمہارے ایک تھرڈ کلاس اہلکار (غالباً رچرڈ آرمیٹج) کے ایک ہی فون پر سجدہ ریز ہو کر اس وقت کی امارت اسلامی افغانستان کے خلاف آپ کا ساتھ دیا تھا اور آج تک پاکستانی قوم اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اہل نظر رہنماؤں اور مذہبی سکالروں نے اُسی وقت تنبیہ کی تھی کہ افغانستان پر حملہ ایک بہانہ ہے۔ یہ تمام کھیل پاکستان کے خلاف سازش کا حصہ ہے۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مغرب کو ایک نظریاتی اور ایٹمی پاکستان کھٹکتا ہے۔ ایک عشرہ کے بعد وہ بات اب کھل کر سامنے آرہی ہے۔ ہماری فوجی ہائی کمان کی پالیسی بالکل واضح ہے۔ وہ کبھی بھی کسی دشمن کے ناپاک قدموں کو اپنی سرزمین پر پڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ایک دفعہ جب نیٹو ہیلی کاپٹروں نے ہماری سرحدوں کے اندر آکر مداخلت کی تھی تو اس کا جو ردّعمل ہوا تھا اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ ناٹو کو آئینہ میں اپنی شکل دیکھنا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں جو ''دہشت گردی'' اور کشت خون ہم پر مسلط کی گئی ہے، ہماری افواج نے ناٹو سے زیادہ مؤثر طور پر اسے ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستانی قوم جانتی ہے کہ ہماری پُرامن سرحدات کو امریکہ اور بھارت نے افغانستان کی سرزمین کو جنگی میدان بنا کر خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ دونوں دشمن کھلے طور پر بلوچستان میں علیحدگی کی تحریک کو چلا رہے ہیں۔ بھارت نے جو گھناؤنا کردار مشرقی پاکستان میں ادا کیا تھا آج پھر اُس کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ بلوچ اور پختون عوام محب وطن پاکستانی ہیں۔ وہ کسی طور پر بھی دشمن کی یہ سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

واشنگٹن ڈی سی میں ایک سٹریٹیجک قبضہ گروپ ہر وقت متحرک رہتا ہے اور وہ امریکہ سے اپنی جنگ لڑوانا چاہتا ہے۔ یہ وہ بااثر Evangelists ہیں جو ہر مسلمان ملک کے خلاف بہانے تراش کر امریکہ سے اُس پر حملہ کرانا چاہتے ہیں۔ عراق اور افغانستان ہمارے سامنے ہیں۔ امریکہ کے یہ سٹریٹیجک اقدامات اس بات کی بھی توجیہہ کرتے ہیں کہ وہ پاکستان پر دباؤ بڑھانا چاہتا ہے کہ پاکستان شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کرے۔ وہ خود تو شکست خوردہ ہو کر افغانستان سے بھاگنے کی راہ کی تلاش میں ہے لیکن اس کی خواہش ہے کہ اس کی بے جواز جنگ کو پاکستان اپنے سر لے لے۔ حالانکہ یہ چیز نہ پاکستان کے مفاد میں ہیں اور نہ ہی اس خطے کے۔ خدانخواستہ اگر پاکستان کی سرزمین پر غیر ملکی فوجیں اتر گئیں تو جو ردّعمل ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ پاکستانی قوم ایک آواز بن کر اپنی مسلح افواج کی پشت پر کھڑی ہوں، تاکہ دشمن کسی بھی مہم جوئی کی جرأت نہ کر سکے۔ یاد رہے کہ امریکہ جھوٹی یقین دہانیاں کرا رہا ہے، جبکہ اس کی ساری ہمدردی ہمارے دیرینہ دشمن بھارت کے ساتھ ہے۔

تبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام کتاب: آٹھ خطابات جمعہ کے کتابچے

ناشر: مولانا شیخ رحیم الدین

قیمت: مکمل سیٹ 65 روپے

ملنے کا پتہ: مرکز تنظیم اسلامی 67۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کا خطاب جمعہ انجمن خدام القرآن کے ہفت روزہ ندائے خلافت میں شائع ہوتا ہے۔ عاکف سعید صاحب باصلاحیت نوجوان ہیں۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے فلسفہ کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی۔ دینی تعلیم قرآن اکیڈمی سے پائی۔ قرآن و حدیث کا علم اور درس و تدریس کا ملکہ اور گفتگو کا سلیقہ اپنے گرامی قدر والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے سیکھا۔ اُن کے جمعہ کے خطابات نہایت پُراثر اور رسوخ فی العلم کے مظہر ہوتے ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے ایک عالم دین مفتی شیخ رحیم الدین نے ندائے خلافت میں شائع ہونے والے اُن کے خطابات میں سے سات خطاب منتخب کر کے انہیں پاکٹ سائز کتابچوں میں شائع کر دیا ہے۔ آٹھویں کتابچے میں ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کا ایک معرکہ آرا خطاب ہے۔ کتابوں کے عنوان اس طرح ہیں۔

1۔ خودکش حملوں کا تدارک
2۔ آزادی کا تقاضا: خود احتسابی
3۔ قیام نظام عدل وقسط
4۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی خدمات
5۔ قرآن حکیم کا پیغام
6۔ توبہ کی فضیلت اور ملک وملت کو درپیش مصائب کا علاج
7۔ اسلام میں حسن اخلاق کی اہمیت
8۔ قیامت سے قبل جنگوں کی پیشین گوئیاں

کتابچے بڑی محنت اور عقیدت کے ساتھ شائع کیے گئے ہیں۔ ہر کتابچے کے آخر میں محترم حافظ عاکف سعید کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔

کتابچوں میں اعلیٰ قسم کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ ہر کتابچے کا ٹائٹل آرٹ پیپر پر حسب حال، دلکش اور دیدہ زیب ڈیزائن سے مزین ہے جو ناشر کے اعلیٰ ذوق کا غماز ہے۔ آٹھوں کتابچے ایک پیکٹ کی صورت میں ہیں۔ یہ ہر شخص کے پڑھنے کی چیز ہے اور اس کے علاوہ دوست احباب کے لیے عمدہ گفٹ بھی ہے۔

مساجد کا عاشق

وسیم احمد

سرزمین سعودی عرب میں رونما ہونے والا ایک انتہائی ایمان افروز واقعہ جو مجھے ایک دوست کی وساطت سے موصول ہوا، قارئین ندائے خلافت کے لیے پیش خدمت ہے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرے ماموں نے حسب معمول مکہ حرم شریف میں نماز جمعہ ادا کی اور گھر کو واپس روانہ ہوئے۔ شہر سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے کچھ فاصلے پر ایک بے آباد سنسان مسجد آتی ہے۔ مکہ شریف کو آتے جاتے سپر ہائی وے سے بارہا گزرتے ہوئے اس جگہ اور اس مسجد پر ہماری نظر پڑتی رہتی ہے اور ہم ہمیشہ ادھر سے گزر کر جاتے ہیں۔ مگر آج جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی وہ ایک نیلے رنگ کی فورڈ کار تھی جو مسجد کی خستہ حال دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ چند لمحے تو میں سوچتا رہا کہ اس کار کا اس سنسان مسجد کے پاس کیا کام! مگر اگلے ہی لمحے میں نے کچھ جاننے کا فیصلہ کیا اور اپنی کار رفتار کم کر کے مسجد کی طرف جاتی کچی سائڈ روڈ پر ڈال دی۔ میرے ماموں نے جو واپسی پر اکثر غنودگی میں ہوتے ہیں، اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے میری طرف حیرت سے دیکھا اور پوچھا، کیا بات ہے، ادھر کیوں جا رہے ہو؟ ہم نے اپنی کار کو مسجد سے دور کچھ فاصلے پر روکا اور پیدل مسجد کی طرف چل دیئے۔ مسجد کے نزدیک جانے پر اندر سے کسی کی پرسوز آواز میں سورۃ الرحمٰن تلاوت کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ پہلے تو یہی ارادہ کیا کہ باہر رہ کر ہی اس خوبصورت تلاوت کو سنیں، مگر پھر یہ سوچ کر کہ اس بوسیدہ مسجد میں جہاں اب پرندے بھی شاید نہ آتے ہوں، اندر جا کر دیکھنا تو چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے؟

ہم نے اندر جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان مسجد میں جائے نماز بچھائے ہاتھ میں چھوٹا سا قرآن شریف لیے بیٹھا تلاوت میں مصروف ہے اور مسجد میں اُس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ ہم نے تو احتیاطاً ادھر ادھر دیکھ کر اچھی طرح تسلی کر لی کہ واقعی کوئی اور موجود تو نہیں ہے۔ میں اسے سلام کیا۔ اس نے نظر اُٹھا کر ہمیں دیکھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ کسی کی غیر متوقع آمد اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ حیرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس نے ہمیں سلام کا جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے، نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں نے اذان دینا شروع کی تو وہ نوجوان قبلہ کی طرف رخ کیے مسکرا رہا تھا۔ مسکراہٹ کس بات پر یا کس لیے تھی مجھے پتہ نہیں تھا۔ عجیب معمہ سا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نوجوان نے ایک ایسا جملہ بولا کہ مجھے اپنے اعصاب جواب دیتے محسوس ہوئے۔ نوجوان کسی کو کہہ رہا تھا، ''مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہو گی۔'' میرے ماموں نے بھی مجھے تعجب بھری نظروں سے دیکھا، جسے میں نے نظر انداز کرتے ہوئے اقامت کہنا شروع کر دی۔ جبکہ میرا دماغ اس نوجوان کے اِس فقرے پر اٹکا ہوا تھا کہ ''مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہو گی''۔ دماغ میں بار بار یہی سوال آ رہا تھا کہ یہ نوجوان آخر کس سے باتیں کرتا ہے، مسجد میں ہمارے سوا کوئی شخص نہیں ہے۔ مسجد فارغ اور ویران پڑی ہے۔ کیا یہ پاگل تو نہیں ہے؟

میں نے نماز پڑھ کر نوجوان کو دیکھا جو ابھی تک تسبیح میں مشغول تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، بھائی کیا حال ہے تمہارا؟ جس کا جواب اس نے بخیر وللہ الحمد کہہ کر دیا۔ میں نے اس سے پھر کہا، اللہ تیری مغفرت کرے، تو نے میری نماز سے توجہ کھینچ لی ہے۔ ''وہ کیسے'' نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔ میں نے جواب دیا کہ جب میں اقامت کہہ رہا تھا تو نے ایک بات کہی ''مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہو گی''۔ نوجوان نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ اس میں ایسی حیرت والی کون سی بات ہے؟ میں نے کہا، ٹھیک ہے کہ اس میں حیرت والی کوئی بات نہیں ہے، مگر تم آخر بات کس سے کر رہے تھے؟ نوجوان میری بات سن کر مسکرا تو ضرور دیا، مگر جواب دینے کی بجائے اس نے اپنی نظریں جھکا کر زمین میں گاڑ لیں، گویا سوچ رہا ہو کہ میری بات کا جواب دے یا نہ دے۔ میں نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے نہیں لگتا کہ تم پاگل ہو، تمہاری شکل بہت مطمئن اور پرسکون ہے، اور ماشاء اللہ تم نے ہمارے ساتھ نماز بھی ادا کی ہے۔ اس بار اس نے نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا، میں مسجد سے بات کر رہا تھا۔ اس کی بات میرے ذہن پر بم کی طرح لگی۔ اب تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ یہ شخص ضرور پاگل ہے۔ میں نے ایک بار پھر اس سے پوچھا، تم اس مسجد سے گفتگو کر رہے تھے؟ تو پھر اس مسجد نے تمہیں کوئی جواب دیا ہے؟ اُس نے پھر مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے تم کہیں مجھے پاگل نہ سمجھنا شروع کر دو۔ میں نے کہا، مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے، یہ فقط پتھر ہیں اور پتھر نہیں بولا کرتے۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے۔ یہ صرف پتھر ہیں۔ میں نے کہا، اگر تم یہ جانتے ہو کہ یہ صرف پتھر ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں تو باتیں کس سے کیں؟ نوجوان نے نظریں پھر زمین کی طرف کر لیں، جیسے سوچ رہا ہو کہ جواب دے یا نہ دے۔ اور اب کی بار اس نے نظریں اُٹھائے بغیر ہی کہا کہ میں مسجدوں سے عشق کرنے والا انسان ہوں، جب بھی کوئی پرانی، ٹوٹی پھوٹی یا ویران مسجد دیکھتا ہوں تو اس کے بارے میں مجھے اُن ایام کا خیال آ جاتا ہے جب لوگ اس مسجد میں نمازیں پڑھا کرتے ہوں گے۔ پھر میں اپنے آپ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ اب یہ مسجد کتنا شوق رکھتی ہو گی کہ کوئی تو ہو جو اس میں آ کر نماز پڑھے۔ کوئی تو ہو جو اس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے۔ کوئی تو ہو جو ادھر آ کر تسبیح و تہلیل کرے۔ کوئی تو ہو جو آ کر چند آیات پڑھ کر ہی اس کی دیواروں کو ہلا دے۔ میں مسجد کے اس انتہائی کے درد کو محسوس کرتا ہوں۔ میں تصور کر سکتا ہوں کہ یہ مسجد کس قدر اپنے آپ کو باقی مساجد میں تنہا پاتی ہو گی۔ کس قدر تمنا رکھتی ہو گی کہ کوئی آ کر اس میں چند رکعتیں اور چند

سجدے ہی ادا کر جائے۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر، یا راہ چلتا انسان آکر ایک اذان ہی بلند کر دے۔ پھر میں خود ہی ایسی مسجد کو جواب دیا کرتا ہوں کہ اللہ کی قسم، میں ہوں جو تیرا شوق پورا کروں گا۔ پھر میں ایسی مسجد میں داخل ہوکر دو رکعت پڑھتا ہوں اور قرآن شریف کے ایک پارہ کی تلاوت کرتا ہوں۔ میرے بھائی، تجھے میری باتیں عجیب لگیں گی، مگر اللہ کی قسم میں مسجدوں سے پیار کرتا ہوں، میں مسجدوں کا عاشق ہوں۔

یہ سُن کر میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس بار میں نے اپنی نظریں زمین میں گاڑ دیں کہ کہیں نوجوان مجھے روتا ہوا نہ دیکھ لے۔ اُس کی باتیں......اس کا احساس...... اُس کا عجیب کام...... اور اس کا عجیب اسلوب...... کیا عجیب شخص ہے جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے...... میرے پاس کہنے کے لیے اب کچھ بھی تو نہ تھا۔ صرف اتنا کہتے ہوئے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے، میں نے اسے سلام کیا اور اُس سے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر ایک حیرت ابھی بھی باقی تھی۔ نوجوان نے پیچھے سے مجھے آواز دی تو میں دروازے سے باہر جاتے جاتے رک گیا۔ نوجوان کی نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھیں اور وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ جانتے ہو جب میں ایسی ویران مساجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں تو کیا دعا مانگا کرتا ہوں؟ میں نے صرف اسے دیکھا تاکہ وہ بات مکمل کر لے۔ اس نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا، میں دعا مانگا کرتا ہوں کہ اے میرے پروردگار، اے میرے رب! اگر تو سمجھتا ہے کہ میں نے تیرے ذکر، تیرے قرآن کی تلاوت اور تیری بندگی سے اس مسجد کی وحشت و ویرانی کو دور کیا ہے تو اس کے بدلے میں تو میرے ماں، باپ کی قبر کی وحشت و ویرانی کو دور فرما دے، کیونکہ تو ہی رحم کرنے والا ہے۔ مجھے اپنے جسم میں ایک سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ کیا عجیب تھا یہ نوجوان، اور کیسی عجیب محبت تھی اُسے والدین سے! کس طرح کی تربیت پائی تھی اس نے؟ اور ہم کس طرح کی تربیت دے رہے ہیں اپنی اولاد کو؟ ہم اپنے والدین کے حوالے سے کتنے غافل ہیں، چاہے وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ؟ بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نیک اعمال کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ بالخیر کرے۔ اللّٰھم آمین

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

عبدالرشید عراقی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی المعروف علی میاں عالم اسلام میں ممتاز علمی مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیک وقت متنوع خصوصیات اور خوبیوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے پوری زندگی اسلام کی دعوت اور نشر و اشاعت میں گزاری۔ دینی، علمی اور ادبی حوالے سے انہوں نے جو خدمات انجام دیں، وہ تادیر یاد رکھی جائیں گی، اور اہل اسلام اُن کے چھوڑے ہوئے علمی سرمایے سے روشنی لیتے رہیں گے۔ مولانا موصوف نے دسمبر 1999ء میں رحلت فرمائی۔ ذیل میں ہم اُن کے ماہ وفات کی مناسبت سے، ان کے حالات زندگی اور ہمہ پہلو شخصیت کے بارے میں ایک مختصر مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت گوناگوں اوصاف کی حامل تھی۔ وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے۔ جنہوں نے بیک وقت شہرۂ آفاق عالم دین، مایہ ناز مفکر و مبلغ، ممتاز مفسر و محدث، معروف مورخ و محقق، بلند پایہ ادیب و نقاد، نامور مصنف و سیرت نگار، وسیع القلب درویش و داعی اور عربی، فارسی اور اُردو کے بے مثال مقرر کی حیثیت سے سربلندی و شہرت حاصل کی۔ مولانا علی میاں کو علوم اسلامیہ پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ عربی ادب میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ نے اپنے علمی تبحر، ذوقِ مطالعہ اور وسعت معلومات کی وجہ سے صرف برصغیر (پاک و ہند) ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں جو مقام حاصل کیا، اس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

مولانا علی میاں ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بیک وقت مختلف اور متنوع خصوصیات ودیعت کی تھیں۔ ایسی ہی شخصیات کے بارے میں شاعر مشرق نے فرمایا تھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا ابوالحسن علی ندوی 5 دسمبر 1913ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحیٔ الحسنی اپنے دور کے نامور طبیب اور جید عالم دین تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم بھی رہے۔ عربی اور اُردو کے نامور مصنف بھی تھے۔ ان کی مشہور تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' (عربی) ہے، جو آٹھ جلدوں میں ہے اور جس میں ساڑھے چار ہزار علمائے کرام کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ 1923ء میں رحلت فرمائی۔

مولانا علی میاں نے 1927ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں فاضل ادب میں داخلہ لیا، اور 1929ء میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔ ندوۃ العلماء میں مولانا حیدر حسن خان ٹونکی اور علامہ تقی الدین ہلالی المراکشی جیسے فاضل اساتذہ سے استفادہ کیا۔ 1930ء میں برادر اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے حکم پر مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کے اخبار ہفت روزہ توحید امرتسر میں مولانا محی الدین احمد قصوری کے مضمون ''ہندوستان کا مجاہد اعظم یا مجدد اعظم'' کا عربی ترجمہ کر کے تصنیفی زندگی میں قدم رکھا۔ 1931ء میں لاہور کا سفر کیا۔ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شاہ ولی اللہ دہلوی کی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس لیا، اور اس کے علاوہ ان کے درس قرآن سے فیض یاب ہوئے۔ 1932ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے درس حدیث میں شرکت کی۔ 1934ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تفسیر و ادب کے اُستاد مقرر ہوئے۔

1937ء میں لاہور تشریف لائے، اور علامہ اقبال سے آخری ملاقات ہوئی۔ 1939ء میں ان کی کتاب ''سیرت سید احمد شہید'' طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ 1940ء میں ماہنامہ الندوہ لکھنؤ کی مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے ساتھ ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ 1941ء میں مولانا سید مودودی کی تحریک پر جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی، اور 1943ء میں جماعت اسلامی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ 1945ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔ 1947ء میں اپنی والدہ محترمہ اور دوسرے اہل خانہ کے ہمراہ پہلا حج کیا۔

1948ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور 1949ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریک پر نائب معتمد تعلیم بنائے گئے اور ایک سال بعد 1950ء میں معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے۔ 1961ء میں برادر اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی کی وفات کے بعد ندوۃ العماء لکھنؤ کے ناظم منتخب ہوئے۔ 1962ء میں مدینہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کی مشاورتی بورڈ کے بنیادی رکن منتخب ہوئے۔ اور اسی سال رابطہ عالم اسلامی کے رکن نامزد ہوئے۔ 1978ء میں پاکستان تشریف لائے۔ ایشیائی کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس کی صدارت صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے کی۔ مولانا علی میاں نائب صدر منتخب ہوئے۔ 1982 میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ 1984ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبیؐ'' کی ساتویں جلد شائع ہوئی تو اس پر مقدمہ لکھا۔ حکومت پاکستان نے ایک لاکھ روپے کا انعام دیا۔ انعام کی یہ رقم نصف دارالتصنیف اعظم گڑھ اور نصف علامہ سید سلیمان ندوی کی اہلیہ محترمہ کو دے دی۔ 1998ء کو دوبئ حکومت کی طرف سے عالم اسلام کی ممتاز شخصیت کا ایوارڈ ملا۔ ایوارڈ کی رقم ایک کروڑ 20 لاکھ دینی مدارس اور تعلیمی مدارس میں تقسیم کردی۔ 31 دسمبر 1999ء کو اپنے وطن رائے بریلی میں رحلت فرمائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا علی میاں کی رحلت پر امام کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ نے اپنے پیغام میں فرمایا:

''عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ اپنی زبان وقلم اور جسم وجان کو وقف کردیا تھا۔ اور اس میدان میں ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے، اور انہیں اپنے نیکو کار بندوں میں شامل فرمائے۔ اور انہیں ابرار و اتقیاء وشہداء وصالحین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عربی و اردو کے بلند پایہ مصنف تھے۔ ان کی تصانیف کو برصغیر پاک وہند کے علاوہ عالم عرب میں بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ مولانا علی میاں کی تصانیف کے بارے میں شیخ احمد عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن نور ولی نائب سیکرٹری الندوۃ العالمیہ للشاب الاسلامی جدہ نے اُن کے انتقال پر اپنے پیغام میں فرمایا کہ

''شیخ ندویؒ نے اسلامی بیداری پیدا کرنے اور فکر کو جلا بخشنے میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی تصنیفات اور کتابیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں جن سے مسلم نوجوان اسلامی علوم کے میدان میں اپنی علمی وفکری تشنگی دور کررہے ہیں۔ اور وہ بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ مسلم گھرانوں میں پڑھی جاتی ہیں۔''

پروفیسر عطیہ خلیل عرب صاحبہ نے مولانا علی میاں کی رحلت پر اپنے پیغام میں فرمایا تھا:

''علمی، دینی اور عربی زبان واسلامی ادب کے ستون، فقید المثال، معتبر داعی اسلام ادیب وخوش بیان مقرر، عارف باللہ، مفکر اسلام حضرت سید ابوالحسن علی ندوی ایک شخص نہیں، بلکہ ایک پوری علمی و دینی کائنات کا نام ہے۔ مسلمانانِ ہند کے لیے ان کا وجود حصن حصین (مضبوط قلعہ) کا درجہ رکھتا تھا۔''

نیوز آف دی ویک

اناللہ وانا الیہ راجعون

خبر ''وفاقی وزیر داخلہ رحمٰن ملک تین بار کوشش کے باوجود سورۃ اخلاص کی صحیح تلاوت نہ کرسکے''

تبصرہ: دوقومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کی جانے والی مملکت جسے مملکتِ خداداد کہا جاتا ہے، جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، جو پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں وجود میں آئی تھی، اُس کے وزیر داخلہ تین بار کوشش کرنے کے باوجود سورۃ اخلاص کی تلاوت نہ کرسکے۔ پھر جیب سے کاغذ نکال کر ''ارشاد'' فرمایا کہ میں کیا کروں، مجھے اِسی طرح لکھ کردی گئی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ملک صاحب نے 1973ء کے آئین کے تحت حلف اُٹھایا ہوا ہے۔ قراردادِ مقاصد جس کا جزو ہے، جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ اِس آئین میں یہ شق بھی موجود ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ ملک صاحب ہر دوسرے روز کہیں کسی پروجیکٹ کے افتتاح کے موقع پر، کبھی کسی بڑے آدمی کے مرنے پر اور کبھی کسی نکاح میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے ہوتے ہیں، جیسے دعا مانگ رہے ہوں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دل ہی دل میں کیا پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اِس خبر پر تبصرہ صرف یہ ہوتا کہ پورا صفحہ ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' لکھ کر بھر دیا جاتا۔ بہرحال کچھ صحافتی مجبوریاں ہوتی ہیں، اور جذبات کی اصل اور صحیح ترجمانی قلم کے ذریعے ممکن نہیں رہتی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر داخلہ کی اِس کارکردگی پر آسمان بھی قائم رہا، زمین بھی شق نہ ہوئی بلکہ ملک صاحب کی وزارت بھی ادھر سے اُدھر نہ ہوئی۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے بعد بھی زندہ رہا تو یہ محض قادرِ مطلق کا رحم وکرم ہوگا۔ کاش! انہوں نے اپنے نام کی کوئی لاج رکھ لی ہوتی۔ کتنی عقیدت سے ماں باپ نے عبدالرحمٰن نام رکھا ہوگا۔ لیکن کہلاتے صرف رحمٰن ہیں۔ اگر دماغی صحت کا یہی عالم رہا تو کل کلاں کوئی اور دعویٰ بھی کرسکتے ہیں۔

دَہن میں زباں تمہارے لیے
بدن میں ہے جاں تمہارے لیے

جسٹس (ر) نذیر احمد غازی

زیر نظر مضمون اگرچہ رواں ہفتہ کا نہیں، بلکہ یہ 24، 25 نومبر کے نوائے وقت میں دو اقساط میں شائع ہوا، مگر مضمون میں ناموس رسالت قانون کے حوالے سے اہل سیاست پر جس طور سے نقد کی گئی، اور اس قانون کا دفاع کیا گیا، اس کے پیش نظر اِسے خصوصی اہمیت دے کر کالم آف دی ویک کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

پاکستان بہر حال ایک آزاد ملک ہے۔ یہ ایک نظریاتی اسلامی سلطنت ہے۔ یہاں پر ہر شخص آزاد ہے لیکن آزادی کا مطلب انسانیت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے حقوق و فرائض کی پہچان ہے۔ آزادی کا مطلب حقوق انسانی کا تحفظ ہے۔ اگر ریاست کے کسی فرد کو اپنے حق کا تحفظ میسر نہیں ہے تو ریاست کے ارباب بست وکشاد کا فرض ہے کہ وہ شہری کا حق دلوائے۔ اگر ریاست کا حاکم حق نہ دلوا سکے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نااہلی کا اعتراف کرے۔ پاکستان کے 17 کروڑ عوام میں سے 96 فیصد لوگ مسلمان ہیں اور ان کا دین اسلام ہے اور اسلام کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور کلمے کا امتیاز محمد مصطفیٰ ﷺ سے غیر مشروط اور لامحدود وفاداری ہے اور پورے عالم انسانیت میں معیار وفا و محبت بھی جناب رسالت پناہ کی ذات اقدس ہے۔ ایمان و محبت کا محور بہر حال، بہر حال مقصود کائنات کی عظمت و کمال کو دل کی گہرائی سے تسلیم کرنا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا بلاتفریق مسلک یہ عقیدہ ہے کہ ''محمدؐ کی محبت دین کی شرط اول ہے''۔

اور یہ حقیقت کبھی فراموش نہ ہو کہ ایمان کی اہمیت جان سے زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی جان کو نقصان دے تو وہ لائق سزا ہے اور کسی کے ایمان پر حملہ کرے تو وہ فساد فی الارض کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا وجود انسانیت بیزاری کا سبب ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ملک کے 16 کروڑ اور ملت اسلامیہ کے ڈیڑھ ارب انسانوں کے ایمان پر حملہ کرے تو اس سے بڑا کون بد بخت ہوگا۔ اسلامی نظریاتی پاکستان میں یہود و نصاریٰ کے خفیہ اشاروں سے حوصلہ پا کر جب غیر مسلم جناب رسالت پناہ کی توہین کی جسارت کرتے ہیں تو مسلمانوں کے دل زخمی ہوتے ہیں، فساد اور بدامنی کا دروازہ کھلتا ہے' اسی لئے قانون کا راستہ اپنانے کے لیے ضابطۂ تعزیرات پاکستان میں 295-C کا ایک مکمل ضابطہ موجود ہے۔ فساد اور بدامنی کو روکنے کے لیے جب قانون حرکت میں آتا ہے تو منافقین امت پورے زور شور سے گستاخانِ نبیؐ کی حمایت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ ان منافقین کے نزدیک ایمان، اخلاق اور دین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قانون و عدالت کو بے چارے کیا اہمیت دیں گے۔ تازہ ترین واردات یہ ہے کہ شیخوپورہ کی ایک عیسائی عورت آسیہ نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا۔ حسب طریقہ قانون حرکت میں آیا۔ ایڈیشنل سیشن جج نے موت کی سزا سنائی۔ ابھی مجرمہ کو ہائیکورٹ میں اپنی اپیل پیش کرنے کا حق موجود ہے۔ ہائیکورٹ میں دو فاضل ججز پر مشتمل ڈویژن بنچ (ڈی بی) اس سزا کا ناقدانہ جائزہ لے سکتی ہے اور ہماری اطلاع کے مطابق مجرمہ کی جانب سے یہ اپیل دائر بھی کر دی گئی ہے۔

لیکن صاحبو! عدالت سے زیادہ اپنی ذات کو محور قوت سمجھنے والے پنجاب کے گورنر نے جیل پہنچ کر مجرمہ کو جیل کی کوٹھڑی سے نکلوا کر اپنے ہمراہ بٹھا کر پریس کانفرنس کی اور توہین رسالت کے جرم میں سزا یافتہ مجرمہ کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کی چھچھوری کوشش کی۔ گورنر پنجاب کا یہ فعل بالکل لایعنی اور غیر قانونی ہے۔ یہ معاملہ ابھی تک عدالتوں سے متعلق معاملہ ہے۔ گورنر کا یہ فعل عدالت کے معاملات میں مداخلت ہے اور سینہ زوری ہے۔ پوچھا جائے کہ وہ کس قانونی اختیار کے تحت عدالت سے سزا یافتہ کو مراعات یافتہ بنا رہے ہیں۔ جناب چیف جسٹس کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ گورنر پنجاب کے اس دیدہ دلیرانہ اقدام کا از خود نوٹس لیں۔

واہ رے واہ! لوگ سرکار کونین مدار کی گستاخیاں کریں، عدالت سزا دے اور نشہ اقتدار میں بدمست حکمران ایسے سزا یافتہ گستاخوں کو ہلہ شیری دیں اور جیل کی کال کوٹھڑی سے نکال کر اپنے ساتھ معززانہ طریقے سے بٹھا کر انہیں معصوم ثابت کر دیں۔

میرے وطن کے لوگو! توہین رسالت کے گھناؤنے جرم پر جس کسی نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی خدائے مصطفیٰ اسے اسی دنیا میں بے سہارا اور ناکارہ کر کے مارے گا۔ دنیا دیکھے گی۔ ظلم بالائے ظلم یہ کہ حکمرانوں کی ہر پارٹی مسلمانوں کے جذبات کا خون کرنے کی قسم اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ پیپلز پارٹی کے بزرجمہر اقتدار کے ایوانوں میں براجمان محض عالم کفر کو خوش کرنے کے لیے آئین و قانون اور دین و ایمان کی سرحدیں پھلانگنے میں کوئی عار تک محسوس نہیں کرتے۔ دوسری جانب پنجاب کے ایوان حکومت پر متمکن نواز شریف صاحب کی پارٹی ہے' جس کے وزیر قانون نشۂ قوت میں اتنے چُور ہیں کہ ان کی زبان لڑکھڑاتے ہوئے کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی ہے۔ یہی موصوف تھے جنہوں نے پنجاب اسمبلی میں رسول اللہ کی نعت پڑھنے پر بڑی چابکدستی سے پابندی لگوانے کی کوشش کی تھی وہ تو بھلا ہو ثناء اللہ مستی خیل اور طاہر خیلی جیسے ایمان مست لوگوں کا جنہوں نے مزاحمت کی تھی۔

اب یہی وزیر قانون ٹی وی مذاکروں میں شریک ہو کر گورنر پنجاب جیسے دیگر دین مخالف افراد کی نمائندگی کرتے ہیں اور 295-C کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے

ہیں کہ یہ قانون ختم ہونا چاہئے۔ یہ لوگ یقیناً اپنے رہبرو رہنما پارٹی لیڈرز کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ کیسے وزیر قانون ہیں جو آئین و قانون اور اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں سے نابلد ہیں۔ اگر وہ ہائی کورٹ کے فل بنچ اور فیڈرل شریعت کورٹ اسماعیل قریشی بنام وفاقی حکومت جیسے مقدمات کے فیصلہ جات کو پوری طرح پڑھ لیتے تو انہیں کم از کم اس طرح کی بے اعتنائی اور کم علمی کا مظاہرہ نہ کرنا پڑتا۔

اسی ٹی وی مذاکرہ میں ایک راجہ نامی بھی ہے جو اپنی بے علمی یا کمزور ترین ایمانی کیفیات کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ پھر ایک مغرب زدہ خاتون ہے جس کا وطیرہ ہی اسلام اور شعائر اسلام پر تنقید ہے۔ یہ سب مل کر ایک ظالمانہ، کافرانہ اور دلخراش مسلم دشمن فعل کی حمایت کر رہے ہیں کہ گستاخی رسول کے مرتکب افراد کے لیے سزا کے راستے بند کر دیئے جائیں اور پھر ان کے لیے رسول دشمنی کے راستے کھول دیتے ہیں۔ یہ بے چارے اپنی نام نہاد عزت اور نام نہاد شہرت کی خاطر کائنات کی سب سے بڑی بارگاہ سے دشمنی مول لے رہے ہیں۔

خدائے جبار و قہار کا یہ اعلان ہے کہ اگر کسی نے میرے ولی سے عداوت کی تو میں رب اس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ خدا کے ایک محبوب بندے کے لیے یہ احترام و عزت ہے تو سرکار کونین مدار ﷺ جو باعث تخلیق کائنات ہیں، جن کی عظمت و بزرگی سے آسمانی صحائف بھرے ہوئے ہیں، جو خدا کی محبوبیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں، ان کی عزت و عظمت تو شعور انسانی سے یقیناً ماوریٰ ہے.....

دو عالم کو بنایا ہے تمہاری خاطر
دو عالم کے لیے تمہیں سرکار بنایا

اے گروہ انساناں، اے خطاؤں کے پتلو، اپنی نفسانی خواہشوں کے اسیرو، فساد فی الارض کو فروغ دینے کی کوشش مت کرو، فیصلہ شدہ امور کو مت چھیڑو۔ لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے (ریاض احمد بنام سرکار، پی ایل ڈی 94ء لاہور) میں جسٹس میاں نذیر اختر نے قرار دیا تھا کہ اگر 295-C جیسے قوانین کو ختم کیا گیا تو پھر لوگ گستاخیٔ رسول جیسے ابلیسی جرم کا پہلے کی طرح از خود فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ دشمن دین عقل کے اندھے ایسے ایسے معاملات میں قائداعظم اور اقبال کا نام استعمال کرتے ہیں۔ کس نشے میں پنجاب کے بڑے کہتے ہیں کہ ہم قائداعظم کے طرز فکر کو اپناتے ہیں۔ ارے قائداعظم تو ملت اسلامیہ کے وہ عظیم مومن سپوت ہیں جنہوں نے ایک گستاخ رسول کے قاتل غازی علم الدین شہید کا مقدمہ 1930ء میں لڑا تھا اور پوری امت اسلامیہ ان کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ قائداعظم نے یہ مقدمہ محض جذبات کی بنیاد پر نہیں لڑا تھا بلکہ حقائق اور حقوق انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے لڑا تھا۔ اقبال کے نام نہاد پرستارو، تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ جب غازی علم الدین شہید گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچا آئے تھے تو حکیم الامت علامہ اقبال نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ ''اساں گلاں کردے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا'' (ہم باتیں کرتے رہ گئے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا۔) اور اب بھی ایسا ہی ہوگا یہ ناز و نعم میں پلے ہوئے گستاخوں کے ہمدرد اور خدا کے محبوب اعظم کے خفیہ دشمن بہت جلد اپنے بدترین انجام کو پہنچیں گے اور ان کا نشۂ اقتدار ہرن ہو جائے گا۔

ٹی وی پر مسلسل اس موضوع پر لوگ پیٹ بھرے کی باتیں کر رہے ہیں۔ ایک ٹی وی اینکر نے کہا کہ میں نے نواز شریف سے کہا کہ آپ کی 295-C کے بارے میں کیا رائے ہے تو نواز شریف نے بھی ہمارے ہی خیالات کی تائید کی۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ یہ بات عوام کے سامنے کیوں نہیں کہتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ بات لوگوں کے ڈر سے نہیں کہہ سکتا۔ جناب نواز شریف، اگر یہ حقیقت ہے تو پھر اپنا قبلہ درست کر لیجئے۔ لوگوں کا ڈر آپ کو کیوں ہوگا۔ آپ تو بہت بہادر ہیں۔ آپ تو لوگوں کے مذہبی جذبات سے بے نیاز ہو کر قادیانیوں کو بھی اپنا بھائی کہہ دیتے ہیں۔ آپ کی بے پروائی خدائے قہار کی بے پروائی اور بے نیازی کے سامنے ایک بے جان تنکے سے بھی کمتر ہے۔ اپنے بین الاقوامی مادی وارثوں پر تکیہ نہ کرنا۔ خدائے قہار کا غضب قریب آ رہا ہے.....

وارث مان نہ کر تو وارثاں دا
رب بے وارث کر مار دا ای

یہ رانا ثناء اللہ کس جماعت اور کس فرد کی نمائندگی کرتے ہوئے 295-C پر ضرب لگا رہے ہیں۔ یہ صاحب آپ کے معتبر وزیر قانون ہیں تو اسی طرح TV پر آ کر ان کی تردید کر دیجئے کہ ہم تحفظ رسالت قانون کے حامی ہیں۔ یہ رانا ثناء اللہ ہماری نمائندگی نہیں کرتا۔ اعلان کرو کہ ہمارا سب کچھ شان رسالت ﷺ اور حرمت نبی ﷺ پر نچھاور ہے۔ اعلان کرو کہ ہم بھی کالے اور سفید گستاخ کی تردید کرتے ہیں۔ احتجاج کرو اسمبلی کے ایوانوں میں اور قرارداد پاس کرو کہ بدبخت گستاخ رسول کے حامی اور 295-C کے مخالف دین دشمن اور پاکستان دشمن ہیں، ورنہ پاکستان کے 17 کروڑ عوام کا تو جناب رسالت پناہ کے بارے میں یہ واضح عقیدہ ہے کہ یا رسول اللہ.....

دَمن میں زبان تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور)

بقیہ منبر و محراب

لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ روش فلسفۂ حسینیت کے یکسر خلاف ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے دین سے کھلی غداری ہے اور بے وفائی ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ہماری دینی قیادت اور مذہبی سیاسی جماعتیں بھی مصلحتوں کا شکار ہیں۔ استقامت اور عزیمت کا نام ہی ہماری قومی لغت سے غائب ہو چکا ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم مفادات کے سامنے جھک جانا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

اوباما کی باسی کڑی میں پھر ابال آیا ہے۔ اُس نے ہم سے پھر ڈومور کا تقاضا کیا ہے۔ کیا ہم یہ بات نہیں جانتے کہ یہود و نصاریٰ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں، اور وہ اسلام کی جڑیں کھودنا چاہتے ہیں۔ 10 محرم کا اصل سبق یہ ہے کہ ہم عزیمت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے آگے ڈٹ جائیں۔ امریکہ بڑی طاقت سہی، مگر اللہ کی طاقت کے مقابلے میں اُس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بے سروسامان طالبان نے اللہ کی نصرت کے سہارے کفر کے متحدہ لشکر نیٹو کو نو سال گزرنے کے باوجود ناکوں چنے چبوانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اب کفریہ طاقتیں افغانستان میں اپنے زخم چاٹ رہی ہیں۔ پس واضح ہو گیا ہے کہ اللہ کی طاقت کے سامنے اُن کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا اللہ پر یقین ہی نہیں ہے۔ ہم اللہ کے دیئے ہوئے دین اور اُس کی عطا کی ہوئی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر اللہ کی مدد کیسے ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔ ہمیں اللہ کو منانا ہوگا۔ اُس کے دین کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ یہی طرز عمل ہمیں مصائب و مشکلات اور غیروں کی غلامی سے چھٹکارا دلائے گا۔ ان شاء اللہ۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی میر پور کی ''توبہ کی پکار'' مہم

20 اکتوبر کو بعد نماز ظہر تا عصر، تنظیم اسلامی میر پور کے اسرہ جاتلاں کی کاوشوں سے بھمبر شہر کے معروف اکبر خانم میموریل ہسپتال کے ہال میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں قرآن اکیڈمی فیصل آباد کے صدر، ممتاز سکالر اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص ڈاکٹر عبدالسمیع نے 'رب ہمارا' کے موضوع پر فکر انگیز خطاب کیا۔ قبل ازیں پروگرام کی تشہیر کے لیے شہر میں پانچ اہم مقامات پر بینرز لگائے گئے اور لوگوں میں دعوت نامے بھی تقسیم کیے گئے۔ اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے راقم نے 17 تا 20 اکتوبر بھمبر میں قیام کیا اور بساط بھر جدوجہد کی۔ راجہ سجاد صدیق اور پروفیسر عبدالباسط فاروقی بھی اس کام میں پیش پیش رہے۔ جلسہ وقت مقررہ پر شروع ہوا۔ حاضرین کی تعداد دو سو کے لگ بھگ رہی۔ شرکاء کی اکثریت پڑھے لکھے افراد پر مشتمل تھی۔ جلسہ کی صدارت امیر جماعت اسلامی بھمبر ڈاکٹر ریاض احمد نے کی۔ سٹیج سیکرٹری اسرہ جاتلان کے نقیب جناب غلام سلطان تھے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع نے اپنے مخصوص انداز میں 'رب ہمارا' کے موضوع پر گفتگو کی اور موجودہ نکبت و ادبار سے نکلنے کے لیے اجتماعی توبہ کی اہمیت و ضرورت کو واضح کیا۔ بعد نماز عصر مہمان گرامی اپنے رفقاء کی معیت میں میر پور کے لیے روانہ ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد میر پور کے معروف بنکیال میرج ہال میں ڈاکٹر عبدالسمیع نے 'اسلام اور سیکولرازم' کے موضوع پر خصوصی خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب کو سننے کے لیے شہر کے اصحاب علم و بصیرت کثیر تعداد میں پروگرام میں شریک ہوئے۔ اس سے پہلے تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب پوٹھوہار سے تعلق رکھنے والے رفقاء تنظیم امیر حلقہ مشتاق حسین کی معیت میں بعد نماز ظہر میر پور پہنچ چکے تھے، جنہوں نے عصر تا مغرب شہر کے مختلف حصوں میں مقامی رفقاء کے ہمراہ 'توبہ کی پکار' مہم کے سلسلہ میں مرکز کی جانب سے فراہم کردہ لٹریچر بڑے پیمانے پر تقسیم کیا۔ امیر تنظیم اسلامی میر پور فیاض اختر میاں اور ان کے رفقاء نے میر پور میں ڈاکٹر عبدالسمیع کے لیکچر اور ''توبہ کی پکار'' مہم کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی تگ و دو کی۔ اس سلسلہ میں مقامی تنظیم کے ناظم دعوت افتخار احمد، محبوب الحسن، محمود احمد کجلانوی، اختر حسین اختر بطور خاص سرگرم رہے، جنہوں نے شہر میں نمایاں مقامات پر نہ صرف تنظیمی بینرز آویزاں کیے بلکہ مختلف مساجد میں نماز جمعہ کے بعد لٹریچر کی تقسیم کا کام بھی بطریق احسن کیا۔ علمائے کرام کے نام امیر تنظیم کا خصوصی مکتوب اُن تک پہنچایا گیا جس میں اُن سے خطاب جمعہ میں موجودہ حالات میں توبہ کی ضرورت و اہمیت کو موضوع بنانے کی استدعا کی گئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسمیع کا خصوصی خطاب اپنے مقررہ وقت پر شروع ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مقامی امیر فیاض اختر میاں نے انجام دیئے۔ ڈاکٹر صاحب کے مختصر تعارف کے بعد انہیں مائیک پر بلایا گیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت جامع اور عالمانہ خطاب فرمایا، جسے بہت پسند کیا گیا۔ حاضری کے لحاظ سے یہ ایک کامیاب جلسہ تھا۔ بعدازاں بالائی ہال میں نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

22 اکتوبر کو جمعۃ المبارک کے خطاب میں جامع مسجد دارالسلام جنجی میں ''توبہ کی پکار'' کے موضوع پر گفتگو کی گئی اور نماز کے بعد ''توبہ کی پکار'' والا فولڈر تقسیم کیا گیا۔ 23 اکتوبر کو بعد نماز عصر درس قرآن میں توبہ کو موضوع بنایا گیا۔ بعدازاں فولڈر اور ندائے خلافت کے شمارہ 41 میں توبہ کی حقیقت کا مضمون پڑھ کر سنایا گیا۔ 24 اکتوبر کو ناظم حسین نقیب اسرہ اور راجہ سجاد صدیق نے 15 بینرز جنجی سے افضل پور تک نہر اپر جہلم کے کنارے مناسب اور نمایاں مقامات پر آویزاں کیے جبکہ تنظیم اسلامی میر پور کے رفقاء نے حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے زیر اہتمام چکوال میں منعقدہ پروگرام میں شرکت کی۔ 25 اکتوبر کو جاتلاں بازار میں ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ بعد نماز عصر اسی موضوع پر موضع کموترہ میں نقیب اسرہ غلام سلطان نے اپنی قریبی مسجد میں ایک اجتماع منعقد کیا، جس سے پروفیسر عطاء الرحمٰن صدیقی، جناب غلام سلطان، راجہ سجاد صدیق اور راقم نے خطاب کیا۔ پروگرام کا اختتام نماز مغرب پر ہوا۔ 26 اکتوبر کو راجہ سجاد صدیق اور راقم نے موضع کھڈوڑہ کا دورہ کیا اور ہینڈ بلز تقسیم کیے۔ گورنمنٹ ہائی سکول کے صدر معلم راجہ افتخار احمد اور اساتذہ سے توبہ کے موضوع پر گفتگو رہی۔ بعد نماز مغرب شبیر حسین (مبتدی رفیق) کی دعوت پر مسجد میں اجتماع ہوا جس میں توبہ کے موضوع پر بیان ہوا۔ 27 اکتوبر کو بعد نماز عصر گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن افضل پور میں راقم نے سورۃ النساء کی آیات 17، 18 کا درس دیا۔ یہاں حاضرین کی تعداد 30 سے زائد تھی۔ شرکاء کالج کے اساتذہ اور زیر تربیت اساتذہ تھے۔ ناظم حسین نقیب اسرہ جاتلاں اور محمد سرفراز راقم کے ہمراہ تھے۔ یاد رہے کہ اس پروگرام کا اہتمام نقیب اسرہ جاتلاں نے کیا تھا۔ 28 اکتوبر کو دن گیارہ بجے روفائل اکیڈمی گورانکہ میں پرنسپل ادارہ امتیاز عزیز نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ غلام سلطان اور راقم نے اس موقع پر توبہ کے موضوع پر خطاب کیا۔ جلسہ میں پانچ مقامی سکولوں کے اساتذہ اور بڑی تعداد میں طلبہ جلسہ میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر ہینڈ بلز بھی تقسیم کیے گئے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ کامیاب پروگرام گردانا گیا۔ 29 اکتوبر کو راقم اور برادر راجہ سجاد صدیق بھمبر شہر پہنچے۔ بہت سے لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں ہوئیں۔ راقم نے جامع مسجد حنفیہ شرقی بازار میں جمعہ کے اجتماع سے توبہ کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ حاضرین کی تعداد تین صد سے زائد تھی۔ بعد میں ہینڈ بلز بھی تقسیم کیے گئے۔ بعد نماز جمعہ بہت سے احباب سے ملاقات ہوئی۔ یہ 'توبہ کی پکار' مہم کا آخری پروگرام تھا جو بفضلہٖ سب سے زیادہ کامیاب ہوا۔

اسی روز حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے زیر اہتمام مہم کا آخری پروگرام جہلم شہر میں منعقد ہوا جس میں تنظیم اسلامی میر پور سے کافی تعداد میں رفقاء نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

(رپورٹ: سید محمد آزاد)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور کے رہائشی مرد، عمر 45 سال، ایک دینی ادارے میں ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل خاتون کا رشتہ درکار ہے — اور — لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 19 سال، تعلیم ایف اے کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0321-4539613

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 21 سال، تعلیم بی ایس سی کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0321-4770587

☆ اسلام آباد میں رہائش پذیر لڑکا، عمر 32 سال، عالم دین، ایم اے اسلامیات، ایم فل گورنمنٹ فیڈرل کالج اسلام آباد میں لیکچرار کے لیے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔

☆ کراچی میں رہائش پذیر لڑکا، عمر 30 سال، عالم دین، شعبۂ تدریس سے وابستہ کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

☆ کراچی میں رہائش پذیر نوجوان، عمر 37 سال، تعلیم ایم اے، ایم ایڈ گورنمنٹ ادارے میں ٹیچر کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

آخر الذکر تین اشتہارات کے لیے رابطہ: 0305-3876033

☆☆☆

accident of birth and all that it sets in motion, we are now experiencing a rapid influence of global nature which was not there before. As a result, there is a constant process of fragmentation of humanity into smaller and smaller units, as-paradoxically-the world contracts to become a village-like place.

Yet, despite this hopeless fragmentation of humanity, we cannot help to discover at one or another point in our itinerary on earth that in spite of all barriers, there is a certain area of human domain where all human beings come face to face with each other without any regard to race, nationality, beliefs and ideas. Lacking another epithet, this domain can be called "Our Common Present".

What we have in common with our fellow men and women is this present moment in which we are all breathing the same air, and are capable of looking at the same moon and stars under one sky. At this fundamental level, humanity as a unit faces certain dilemmas. The outcome of these dilemmas may very well lead to a universal calamity. This fear of total annihilation by our own folly is sustained by the hope that, in spite of everything against us, we may yet learn to create out of the human spirit a force so elemental and basic that it will shatter all barriers and constraints in the realization of a transcendental unity with all human beings now living on earth.

The hope that one day we may very well learn to live with each other without the constant presence of tragedies in the background may seem utopian, even Quixotic, but it is sustained by the fact that unification of our planet is taking place at a speed unprecedented in the history of mankind. More and more human beings are discovering that as members of the human community, they all equally participate in the making of whatever lies ahead for the human race.

By experiencing this solidarity we strengthen that elemental force which alone can liberate us from our most horrifying fears of a universal inferno. By experiencing this solidarity we also see ourselves, not as droplets of water falling down, hopelessly separated, but as men and women capable of contributing that very special role which our most marvellous creation demands from us.

مرکزی شعبہ نشرواشاعت
کی طرف سے

تنظیم اسلامی کا تیار کردہ سال نو کا

Calender 2011

.....دستیاب ہے.....

6 صفحات پر مشتمل شمسی وقمری کیلنڈر
قرآنی آیات کی خوبصورت خطاطی سے مزین،
☆4 رنگوں میں دیدہ زیب طباعت ☆ خوبصورت ڈیزائن
☆ عمدہ آرٹ پیپر ☆ سائز "18x23"

خصوصی رعایتی قیمت 60 روپے

رفقاء واحباب یہ خوبصورت کیلنڈر خود بھی لیں اور
دعوتی نقطہ نظر سے خرید کر احباب میں تحفہ کے طور پر تقسیم کریں
رفقاء واحباب کیلنڈر حاصل کرنے کے لئے اپنے مقامی مراکز سے رابطہ کریں

مرکزی شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501،
فیکس 35834000، media@tanzeem.org
website: www.tanzeem.org

مرکز تنظیم اسلامی
67۔اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
فون: 36316638, 36366638، فیکس 36271241
e-mail: markaz@tanzeem.org,

Dr. Muzaffar Iqbal

TURNING THE CALENDAR, EVERMORE GENTLY

The new Hijri year began without much fanfare; year 2011 of the Common Era is about to begin. It will be ushering us into the second decade of a century already red in blood and feared to be soaking in it if nothing changes in the way events are unfolding around the world. Cataclysmically violent as they are, all events follow a natural course. "Natural" in the sense that there is a direct relationship between what human beings do and what follows. "As you sow, so shall you reap" is as true today as it was when it was first said by Paul some two thousand years ago in his letter to the Galatians.

Yet, the changing of the calendar is inevitably linked to Hope with a capital "H", no matter how dark the external realities are, for every new leaf in the human chronicles need to be welcomed with fresh hope and commitment to be what human beings were supposed to be: vicegerents of the Creator on earth. In a certain sense, this is true for all humanity, even for those who do not believe in a Creator, because "vicegerency" here includes a dimension of being shared by all humanity no matter what their beliefs are. This common human element stems from the basic human dignity which all human beings possess.

In that sense, all human beings have a certain common domain of responsibility toward each other and toward the natural habitat of their one and only home-planet earth. This common existential basis includes the unique human gift of articulation of hopes and desires, joys and sorrows, feelings and thoughts, all of which we actually experience alone as an entity, a small cosmos, a universe more dazzling than the one constructed with brilliant stars and constellations.

This universe is born within the confines of our perishable bodies; it goes through periods of infancy, youth, and old age before passing on to another life at the moment when it is released from its narrow and perishable confines of the flesh. Taken as a whole, this inner world, where we witness the passing of time as if it were droplets of water falling down, is the invisible common stage on which humanity has been performing since its creation. In addition to this invisible inner world, we also share a visible outer world with others. This outer world is in a constant flux. Although we participate in the creation of this flux as one of its constituents, yet our understanding of this outer world develops under certain constraints all of which stem from the fact that as members of the human race we are also the observers of human deeds as if from within. While it is true that our behaviours, attitudes, and ideas are marked by the geographical coordinates of our physical presence at a particular point in space and time, it is also true that this physical boundary creates many barriers in the way of our perception of our role as individuals in the creation of this flux.

As we turn the calendar, humanity grows older as a collective. We realize that increasingly number of factors which condition humanity today are increasing exponentially in a world where information travels instantaneously. In the past this was not so. Then the basic set which defined and conditioned human beings remained constant. It included the place of their birth, their inheritance in the form of a particular biological makeup, their tradition, and a particular history they inherited.

Today, humanity is in a flux. In addition to the